وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا ترجمان

ماہنامہ

وفاق المدارس

ملتان

جلد نمبر: ۲۳ شمارہ نمبر: ۶ جمادی الثانی ۱۴۴۷ھ دسمبر ۲۰۲۵ء

بیاد

شمس العلماء
حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء
حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ

محدث العصر
حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

مفکر اسلام
حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ

جامع المعقول والمنقول
حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ

رئیس المحدثین
حضرت مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ

استاذ المحدثین
حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر رحمۃ اللہ علیہ

سرپرست

شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق حقانی مدظلہم
سینئر نائب صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر اعلیٰ

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری مدظلہم
ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مدیر

مولانا محمد احمد حافظ

خط وکتابت اور ترسیل زر کا پتہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

فون نمبر 061-6514525-6514526-27 فیکس نمبر 061-6539485
Email:wifaqulmadaris@gmisl.com web:www.wifaqulmadaris.org

ناشر: حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری ◉ مطبع: اقراء اختر پرنٹنگ پریس پرانی غلہ منڈی بوہڑ گیٹ ملتان
شائع کردہ: مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ گارڈن ٹاؤن شیر شاہ روڈ ملتان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

جناب وزیر دفاع کی مدارس کے متعلق گل افشانیاں	کلمة المدیر	۳
ذکر اللہ کی فضیلت	شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ	۵
ابتداء بالتسمیہ سے متعلق اشکال وجواب	مولانا محمد صدیق ابوالحاج مظفری	۱۱
صدق واخلاص کی قابل تقلید مثالیں	مولانا بدر الحسن القاسمی (کویت)	۱۸
مصنوعی ذہانت، جدید سائنسی مسائل اور ماہرین کی آراء	ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی	۲۵
تعلیمی نظام میں معروضی امتحانات کی اہمیت فوائد	مولانا محمد آصف ملک	۳۰
دینی مدارس سرکاری امداد کی پیشکش کیوں نہیں قبول کرتے؟	حضرت مولانا زاہد الراشدی	۳۸
دین اور دینی مدارس کے مخالفین سے اعلان جنگ	نوید مسعود ہاشمی	۴۰
مدارس کی خدمات اور ریاست کا دباؤ	جناب اشفاق اللہ خان ابن ڈاگئی باباجیؒ	۴۳
خدمات وتحفظِ مدارس دینیہ کنونشن ملتان	مفتی عامر شعیب ڈیروی	۴۶
اخبار الوفاق	ادارہ	۵۹
تبصرہ کتب	محمد احمد حافظ	۶۳

مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں۔

سالانہ بدل اشتراک

بیرون ملک امریکہ، آسٹریلیا، جنوبی افریقہ اور یورپی ممالک ۳۰ ڈالر۔ سعودی عرب، انڈیا اور متحدہ امارات وغیرہ ۲۳ ڈالر۔ ایران، بنگلہ دیش ۲۰ ڈالر۔

اندرون ملک — قیمت: فی شمارہ: 40 روپے، زر سالانہ مع ڈاک خرچ: 540 روپے

كلمة المدير

جناب وزیر دفاع کی مدارس کے متعلق گل افشانیاں

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

تمام حمد وثنا کائنات کے پالنہار کے لیے ہے، درود وسلام ہو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی پاکیزہ آل پر اور آپ کے جاں نثار صحابہ پر!۔

گزشتہ دنوں ہمارے وزیر دفاع جناب خواجہ آصف صاحب نے اسمبلی فلور پر تقریر کرتے ہوئے اپنے روایتی انداز میں دینی مدارس پر حرف گیری فرمائی، انہوں نے اسمبلی میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: ''اسلام آباد میں ہزاروں مدرسے قبضے کی جگہ پہ بنے ہوئے ہیں۔''

پاکستان کا وزیر دفاع ہونا ایک باوقار منصب ہے، اور اسمبلی فلور پر کوئی بیان دینا اپنی جگہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کابینہ کے ایک اہم وزیر کی جانب سے دینی مدارس کے خلاف اس طرح کے بیان آنے پر دینی حلقوں میں تشویش کی لہر اٹھی اور فکر مند کر گئی۔ جب اس قسم کے بیان آتے ہیں تو بہرحال ان کے پس منظر میں کوئی وجہ ہوتی ہے ،اس کی وضاحت ہم آگے چل کر کریں گے۔

یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دینی مدارس کے خلاف اس طرح کے مخالفانہ بیانات نئی بات نہیں، نائن الیون کے بعد یہ تیسری دہائی ہے کہ مدارس پر الزامات واتہامات کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ مدارس کو دہشت گردی کے مراکز کہا گیا، انہیں جہالت کی فیکٹریاں بتایا گیا، مدارس کو انتہا پسندی کے گڑھ باور کرایا گیا۔ انہی خود ساختہ تصورات کے مطابق دینی مدارس کے متعلق پالیسیاں اپنائی گئیں۔ چناں چہ دینی مدارس کو ''راہِ راست'' پہ لانے کے لیے کئی طرح کے عملی اقدامات کیے گئے۔ دینی مدارس کا نصاب ونظام تعلیم تبدیل کرنے کی کوششیں ہوئیں، انہیں سرکاری تحویل میں لینے کے پروگرام بنے، حکومتی نگرانی میں ماڈل مدارس بنا کر ہم رنگ زمین جال بھی بچھائے گئے۔ دینی مدارس کی اجتماعیت کو توڑنے کی کوششیں ہوئیں۔ کچھ نادیدہ قوتوں کی خواہشات کے مطابق مدارس کی تالا بندی تو کبھی نہیں ہوسکی، لیکن اہل مدارس کو ڈرانے دھمکانے اور عوام الناس میں ان کے کردار کو مشکوک بنانے کا بھی کوئی حربہ ہاتھ سے نہیں جانے دیا گیا۔

نائن الیون کے بعد امریکا بیس برس سے زائد عرصے تک افغانستان میں سر پٹختا رہا، اور بالآخر بے نیل ومرام شکست کا داغ ماتھے پہ سجائے واپس چلا گیا۔ اس کے واپس جانے کے بعد اگرچہ قتل وغارت کا طوفان تھم گیا،

اور خطے میں امریکا کی موجودی کے باعث جو پالیسیاں اپنائی گئی تھیں؛ ان میں سے بھی اکثر حرف غلط ٹھہریں، چاہیے تو یہ تھا کہ امریکی کولیشن کا حصہ رہتے ہوئے دینی مدارس کے متعلق جو غیر حقیقت پسندانہ پالیسیاں اپنائی گئی تھیں انہیں یکسر ترک کر دیا جاتا، لیکن افسوس ایسا نہیں ہوسکا۔ مدارس کے خلاف گھیرا تنگ کرنے کی جس پالیسی کا آغاز جنرل مشرف صاحب کے دور میں ہوا تھا اس کا تسلسل آج تک باقی ہے۔

مدارس پر بے بنیاد الزامات تھوپنے، مدارس کے نظام و نصابِ تعلیم کو بدلنے کی جلی و خفی خواہشات اب بھی باقی ہیں۔ اس طرزِ عمل کی بھی کچھ وجوہ ہیں؛ نائن الیون کے بعد مقامی سطح پر ہمارے عقائد، فکر و نظر اور تہذیب و تمدن کے مسلّمہ زاویوں کو بدلنے کی زوردار شعوری کوششیں کی گئیں۔ یہاں کے لبرل اور سیکولر حلقوں کو اس سلسلے میں ایک طرح سے شہ مل گئی اور انہوں نے اس کارِ شر میں دل و جان سے حصہ لیا۔ اس وقت ہماری عصری تعلیم گاہیں الحادی عقائد و نظریات ، اور مادر پدر آزاد تہذیب کی پناہ گاہیں بن چکی ہیں۔ ہمارے اسلام پسند فہمیدہ حلقوں کو شاید ابھی اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے؛ لیکن یہ ایسا ناسور ہے جو غیر محسوس انداز میں ہمارے قومی وجود میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان تمام کوششوں کے بارآور ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ دینی مدارس کا وجود اور ان کا نظام و نصابِ تعلیم ہیں۔ مغرب زدہ مخالف قوتوں کو معلوم ہے کہ جب تک ''مدرسہ'' کا وجود باقی ہے یہاں کی تہذیب و معاشرت میں جوہری تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔ یہ قوتیں ''مدرسہ'' کو اپنے عزائم کی تکمیل میں رکاوٹ سمجھتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر تھوڑے عرصے بعد باسی کڑھی میں ابال اٹھتا رہتا ہے؛ اور مدارس کے خلاف زہر آلود بیانات دیے جاتے رہتے ہیں۔ ایسا نہیں کہ مخالف عناصر کو مدارس کے مثبت تعلیمی کردار کا ادراک نہیں۔ بالکل ہے، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں اس کا حقیقت سے دُور کا بھی واسطہ نہیں، اس کا ثبوت جناب وزیر دفاع صاحب کا ہی وہ بیان ہے جو انہوں نے پاک بھارت جنگ کے بعد دیا اور کہا کہ: ''مدارس پاکستان کی سیکنڈ دفاعی لائن ہیں۔'' اس پر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ جناب شیخ کا قدم یوں بھی ہے وُوں بھی۔ جناب خواجہ آصف صاحب کو خیال فرمانا چاہیے کہ ان کے کئی متضاد بیانات وطن عزیز کے لیے شرمندگی کا باعث بن چکے ہیں۔ کبھی وہ افواج پاکستان کے خلاف اپنے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے ہوتے تھے، کبھی پاکستان کی سابقہ قومی پالیسیوں پر تنقید فرما رہے ہوتے ہیں۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ذمہ دار حکومتی عہدوں پر فائز افراد کو ایسے بیانات سے گریز کرنا چاہیے جن کی کوئی حقیقت نہ ہو اور وہ محض عداوت بڑھانے کا سبب بنیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق بات کہنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!۔

ذکر اللہ کی فضیلت

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ

کا ایک نایاب بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونستعینه ونستغفرہ ونتوب الیه ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات أعمالنا من یهدہ اللہ فلا مضل له ومن یضلله فلا هادی له ونشهد ان لا الٰه الا اللہ وحدہ لاشریك له ونشهد أن محمدا عبدہ و رسوله صلی اللہ علیه وسلم. صلوۃ دائمة ابدا کلما ذکرہ الذاکرون وکلما غفل عن ذکرہ الغافلون۔

مذکورہ بالاخطبۂ مسنونہ کے بعد حضرت محترم نے سورۂ زمر کی اس آیتِ کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا.

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت شیخ الاسلام نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ بے تعداد ذکر ہو، شب وروز کی قید نہیں، صبح وشام کی قید نہیں، طہارت غیر طہارت کی قید نہیں کپڑے پھٹے ہوئے ہونے یا نہ ہونے کی کوئی قید نہیں، مطلب یہ ہے کہ ہر وقت ہر لحظہ اور ہر ایک حالت میں اللہ کے ذکر میں لگے رہو۔

دوسری آیت میں ہے: وَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ

ترجمہ: اللہ کا ذکر کرو کھڑے بیٹھے اور کروٹوں پر لیٹے ہوئے۔ یعنی جو بھی حالت ہو۔ ہر حال میں اللہ اللہ کرو۔

پہلی آیت میں ذکر کے ساتھ تسبیح کا بھی ذکر ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: شریعت میں جتنی عبادتیں ہیں مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک حد ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد خداوندی ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ

نماز قائم کرو دن کے دونوں طرف اور رات کے کچھ حصہ میں۔

فرض روزوں کے لئے بارہ مہینوں میں ایک مہینہ معین ہے۔ زکوٰۃ سال بھر میں ایک دفعہ فرض ہوتی ہے۔ ایسے ہی حج سال بھر میں بلکہ عمر میں ایک دفعہ اس کی ادائیگی مطلوب ہے۔ لیکن ذکر اللہ کے لئے کوئی حد نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ بندہ بے شمار و بے تعداد ذکر چلتے پھرتے، اُٹھتے بیٹھتے، ہر حال میں جاری رکھے۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث سے سمجھ میں آتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رکھتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اتنا کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ سمجھنے لگیں۔ ذکر کی نہایت ہی مرغوبیت مقصود ہے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرا بندہ زیادہ سے زیادہ میری یاد کرے۔

مسلم کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون شخص زیادہ مرتبہ والا ہے اللہ کے نزدیک؟ فرمایا: اَلذَّاکِرُوْنَ اللهَ کَثِیْراً وَّالذَّاکِرَاتِ یعنی ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں۔ اس سے لوگوں کو شبہ ہوا کہ جہاد کرنے والے لوگوں کا مرتبہ بڑا ہونا چاہیے کیونکہ سب سے بڑی قربانی اُن کی ہے، انھوں نے ذاکرین سے کہیں زیادہ اپنی جان کھپائی ہے اور مال قربان کیا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہدین سے بھی ذاکرین کا درجہ بڑا ہے۔

ولو خضبت ابدانھم و نھبت اموالھم (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

یعنی مجاہدین جن کے بدن خون سے رنگے ہوئے ہوں اور اُن کے اموال لوٹ لئے گئے ہوں اُن سے بھی ذاکرین کا درجہ بڑا ہے۔

بھائیو! غور کرو ذکر کرنے کے متعلق کیا شاندار ارشاد فرمایا ہے۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الا انبئکم بخیر اعمالکم لدی ربکم و ارفعھا درجاتکم و خیر لکم من انفاق الذھب والفضۃ و خیر لکم من ان تلقو عدو کم فتقتلو نھم ویقتلو نکم ذکر اللہ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم)۔

دیکھو میں تمہیں ایسا عمل بتا رہا ہوں جو تمہارے رب کے یہاں سب سے بہتر ہے جس سے تمہارے درجے بلند ہوتے ہیں اور تمہارے لئے سونے اور چاندی کے خرچ کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہے اور تمہارے لئے اس سے بہتر ہے کہ دشمن سے مقابلہ کرتے ہوئے تم ان کو قتل کردو اور یہ تمہیں قتل کرڈالیں وہ عمل کیا ہے؟ اللہ کا ذکر! (جامع)

مختصر یہ کہ ذکر اللہ کو سب سے افضل قرار دیا، اس کو ان تمام قربانیوں پر ترجیح دی۔

بھائیو! آج ہم اس کی قدر نہیں جانتے قیامت میں اس کی قدر معلوم ہو گی۔ مختلف عنوانوں میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ذکر فرماتے ہیں اور اس کی ترغیب دلاتے ہیں۔

قرآن پاک میں قیامت کا ایک نام "یوم الحسرۃ" ہے

کما قال اللہ تعالیٰ: وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ

آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ روز قیامت کافر و منافق کے لئے **یوم الحسرۃ** ہے کہ کفر و نفاق کی وجہ سے حسرت کریں گے لیکن مومنین کے لیئے **یوم الحسرۃ** کیوں ہو گا؟ جن مومنین نے قرآن و حدیث کے مطابق اپنے عمل کو سنوارا ہے وہ کیوں افسوس کریں گے؟۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا بے شک مطیع اور فرمانبردار لوگ بھی افسوس کریں گے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اپنے یاد کرنے پر اور ہر ہر مرتبہ کے ذکر پر اتنا بڑا اجر دے گا تب ہر ایک افسوس کرے گا کہ میں نے سو ہی مرتبہ کیوں ذکر کیا؟ میں نے ہزار ہی مرتبہ پر کیوں کفایت کی؟ لاکھ مرتبہ یا کروڑ مرتبہ پر ہی کیوں قناعت کی اور کیوں نہیں کیا؟!۔ غرضیکہ ہر مطیع اور فرمانبردار بھی افسوس کرے گا کہ اَور ذکر کرتا تو اَور غیر معمولی اجر پاتا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں ذکر کے لئے کوئی حد کوئی غائت کوئی نہایت نہیں۔

میرے بھائیو! چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے زیادہ سے زیادہ ذکر کرو، قرآن پاک میں ارشاد ہے:

اَلذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ۔

اس میں کوئی قید نہیں۔ نجات پانے والوں میں اعلیٰ درجہ ذکر کرنے والوں کا ہے۔

بھائیو! بے وضو نمازی پر عتاب ہو گا۔ جان بوجھ کر بے وضو نماز پڑھنے والے پر کفر کا فتویٰ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔: **لا یقبل اللہ صلوۃ بغیر طھور**

مگر ذکر کے لئے وضو شرط نہیں، وضو ہو یا نہ ہو۔ غسل جنابت کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ ذکر کرو۔

نماز کے لئے شرط ہے کہ خانہ کعبہ کی طرف منہ کرو۔ اگر پورب کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں تو کفر کا فتوی ہے۔ لیکن ذکر ہر جہت میں کر سکتے ہو۔ مادر زاد ننگے ہوں نماز نہیں ہو سکتی۔ سر سے پیر تک عورتوں کو اور ناف سے گھٹنے تک مردوں کو چھپانا ضروری ہے۔ لیکن کیا ذکر کے لئے یہ شرط ہے۔ ننگے ہو یا کپڑے پہنتے ہو اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت مطلوب ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یذکر اللہ علی کل احیانہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اللہ کا ذکر فرماتے رہتے تھے۔

دیکھئے کس قدر ذکر اللہ کی تاکید ہے۔کس قدر اس کا مطالبہ ہے۔

قرآن شریف میں ہے:

اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ.

''جس کتاب کی تم پر وحی اتاری جارہی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم کرو۔''

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰہِ اَكْبَرُ.

بیشک نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے اور اللہ کا ذکر بہت بڑی بات ہے۔

اس آیت میں تین عبادتوں کا ذکر ہے:

(۱) تلاوت-تلاوت کلام اللہ شریف کا یہ درجہ ہے کہ ارشاد ہوا ہے کہ ایک ایک حرف پر دس دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ولا اقول الم حرف۔بل الف حرف۔ولام حرف۔ومیم حرف۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرمادی کہ حرف سے مثلاً پورا ''الم'' مراد نہیں بلکہ الف ایک حرف ہے اس پر دس نیکیاں ہیں۔لام ایک حرف ہے اُس پر دس نیکیاں۔میم ایک حرف ہے اس پر دس نیکیاں اور الم پر تیس نیکیاں-اب پڑھتے جایئے اور نیکیاں گنتے جایئے۔مگر ہم اپنی بے وقوفی سے قرآن شریف کی تلاوت کی قدر نہیں کرتے اور بعض بیوقوف کہتے ہیں کہ بے سمجھے قرآن شریف پڑھنے سے کیا فائدہ؟۔حالانکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھنے نہ سمجھنے کی کوئی قید نہیں لگائی۔اور لطف یہ ہے کہ مثال میں ''الم'' پیش فرمایا ہے جس کے معنیٰ کسی کو بھی نہیں معلوم۔پس اگر آپ ترجمہ جانتے ہیں تو نورٌ علیٰ نور اور ترجمہ نہیں جانتے تب بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر حرف پر دس نیکیاں۔

پس میرے بھائیو!اس کی پابندی کرلو کہ روزانہ صبح کو ایک پارہ پڑھ لیا کرو۔پھر دیکھو آپ کو کس قدر اللہ تعالیٰ کا انعام حاصل ہوگا۔افسوس صبح اُٹھتے ہی سگرٹ پیتے ہیں۔چائے نوشی میں لگ جاتے ہیں۔صبح صبح ایک پارہ پڑھ لیجیے۔اس ایک پارہ میں کئی ہزار حرف آتے ہیں تو ہر روز کتنے خزانے آپ کے ہاتھ لگ جائیں گے؟!۔

(۲) بھائیو!اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں دوسرا حکم یہ فرمایا ہے

واقم الصلوۃ لم یقل صل بل قال اقم الصلوۃ-

یعنی اس آیت میں نماز پڑھو نہیں فرمایا بلکہ نماز کھڑا کرو فرمایا۔

بعض لوگ نماز پڑھتے ہیں اسے کھڑا نہیں کرتے۔ترتیل کے ساتھ معانی کا لحاظ کرکے پڑھو۔اس کا سوچو کہ شہنشاہ عالم کے سامنے کھڑا ہوں جو میرے دل ودماغ کے خیالات کو جانتا ہے ہر ہر حرکت کو جانتا ہے،اسی شہنشاہ اسی رحمٰن ورحیم

اسی جبار وقہار کے سامنے کھڑا ہوں، ہر رکوع کو، سجدے کو، قیام کو، قعود کو ترتیب اور اطمینان کے ساتھ ادا کرو۔ پس اگر تمام شرطوں، تمام احکام اور جملہ آداب کی پابندی کرتے ہوئے نماز ادا کی تب تو نماز کا کھڑا کرنا ہوا۔ لیکن اگر رکوع سجدہ اور جلسہ میں سکون واطمینان نہیں ہوا تو نماز تو ہو جائے گی مگر اقامت نماز نہیں ہوگی۔

دیکھو ایک معمولی افسر سامنے آتا ہے تو ہم کیسے سکون واطمینان سے اس سے باتیں کرتے ہیں لیکن ایک شہنشاہ جو عالم الغیب ہے، جس کے علم سے ایک ذرّہ غائب نہیں؛ اس کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں بھاگ دوڑ کرتے ہوئے چہرہ کعبہ کی طرف، دل بیوی بچوں میں۔ یہ بھاگ دوڑ کی نماز ہے اسے اقامت نماز نہیں کہتے۔

جیسا کہ ہر دوا الگ تاثیر رکھتی ہے۔ کونین سے ملیریا اور گل بنفشہ سے زکام رفع ہوتا ہے۔ غرض ہر دوا میں اللہ تعالیٰ نے الگ تاثیر رکھی ہے۔ پانی سے پیاس، کھانے سے بھوک جاتی ہے۔ اسی طرح نماز بھی دوا ہے۔ ہمارے روحانی امراض کی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ

بے حیائی کی باتیں، منکر باتیں، نہایت بُری باتیں، نماز ان چیزوں سے روکتی ہے۔ نماز میں نہایت قوی تاثیر ہے جس طرح ظاہری دوائیں جسمانی امراض کو روکتی ہیں اسی طرح فحشاء اور منکر کو نماز روکتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک واقعہ پیش آیا ایک خوبصورت عورت پردے کے ساتھ نماز میں جایا کرتی تھی۔ ایک نوجوان اُس پر عاشق ہو گیا، عورت نکاح شدہ تھی، اس نوجوان نے بیبا کی سے کہلوایا میں ملنا چاہتا ہوں۔ عورت جواب دیتی ہے میں ملنے کو تیار ہوں لیکن ایک شرط ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے چالیس روز تک نماز پڑھ لو۔ روپیہ پیسہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نوجوان نے سمجھا بڑی آسان بات ہے، وہ نوجوان حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آنے سے پہلے مسجد میں چلا جاتا تھا۔ آٹھ دس روز بعد اس عورت کے مکان سے گذرا۔ دس بارہ روز کے بعد اس میں کمی آ گئی۔ پچیس روز کے بعد بالکل کمی ہوگئی۔ چالیس روز کے بعد عورت پیغام بھیجتی ہے، مرد کہتا ہے دل چھوٹ گیا، اب اللہ تعالیٰ کا عاشق بن گیا ہوں۔ عورت نے خاوند سے تذکرہ کیا۔ خاوند نے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کہا۔

فقال سیدنا عمر بن الخطاب صدق اللہ: ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا کہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔

(۳) تیسری بات ہے **ولذکر اللہ اکبر** بڑی مقدس عبادت ہے کہ اللہ جس کو ”اکبر“ فرمایا گیا ہے۔ یعنی بہت بڑی۔ فرماتے ہیں **ولذکر اللہ اکبر** میں لام تاکید کا لایا گیا ہے اور لفظ اکبر لایا گیا ہے مفضل علیہ محذوف ہے۔ غور کرو ذکر اللہ کی کس قدر بڑائی ہے یعنی تلاوت سے اور نماز سے بھی بڑی عبادت ہے اللہ تعالیٰ کا ذکر۔

بھائیو اور بزرگو! فرضوں کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ جس قدر ممکن ہو چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ذکر اللہ کو جاری رکھو -حدیث شریف میں ہے: انا جلیس من ذکرنی میں اُس کا ہم نشین ہوں جو میرا اذکر کرے۔

غور کیجئے ایک تھانیدار کے پاس جانے والے کی ایک کلکٹر کے پاس جانے والے کی آپ تعظیم کرتے ہیں تو غور کیجئے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنا ہم مجلس فرماتے ہیں کتنا بڑا درجہ ہے اس شخص کا۔

میرے بھائیو! جو اولیاء گذرے ہیں ۔خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ، پرانے کپڑوں میں رہتے تھے، کھانے پینے کے ذخیرے اُن کے پاس نہ تھے۔اللہ تعالیٰ کی عبادت کی وجہ سے، اللہ تعالیٰ کے ساتھ لو لگانے کی وجہ سے؛ اثر یہ تھا کہ جو زبان سے کہتے تھے وہ ہو جاتا تھا اللہ تعالیٰ اس کو پورا کر دیتا تھا، یہ ذکر اللہ کا اثر تھا، اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لیا، ہزاروں نہیں کروڑوں ان سے مستفید ہوئے۔ہم شب و روز غفلت کے ساتھ رہتے ہیں۔بیوی بچے کی فکر میں مبتلا ہیں۔قرآن پاک کہتا ہے

يَآاَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا لَا تُلۡهِكُمۡ أَمۡوَالُكُمۡ وَاَوۡلَادِكُمۡ عَنۡ ذِكۡرِ الله

بیوی بچے کی خبر گیری کرو لیکن ذکر اللہ سے غفلت نہ ہو۔یہی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب کو سکھلا دی۔مسلمان اس زمانہ میں کھیتی باڑی تجارت میں ذکر اللہ سے غفلت نہ کرتے تھے۔

يَخَافُوۡنَ يَوۡمًا تَتَقَلَّبُ فِيۡهِ الۡقُلُوۡبُ وَالۡاَبۡصَار

ان کی شان فرمائی گئی ہے۔یعنی دنیا کے کاروبار کے باوجود زبان پر ذکر، دل میں اللہ کی یاد اور قیامت کے محاسبہ کا خوف۔اس کے برعکس ہمارے زمانہ کے پیر صاحب ہیں کہ مسجدوں میں مریدوں سے نذرانے وصول کرنے بیٹھ گئے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے نہ تھے۔کھیتی کرتے تھے کھجوروں کے باغ درست کرتے تھے۔ جملہ اکابرین صحابہ محنت کی زندگی گزارتے تھے لیکن ذکر اللہ سے غفلت نہ کرتے تھے۔

میرے بھائیو! ہمارا فرض ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا طریقہ اختیار کریں۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کریں۔اللہ کے ذکر میں مشغول رہیں دل میں اسی کی یاد ہو اور زبان پر اسی کا نام، سب کام ہو مگر سب کاموں سے مقدم یہ کام۔اللہ تعالیٰ ہمیں سب کو توفیق بخشے۔یہی زندگی مبارک زندگی ہے جو اُس کی یاد سے بابرکت ہو۔

و اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

و الصلاۃ و السلام علی رسولہ محمد و الہ و اصحابہ اجمعین

ابتداء بالتسمیہ سے متعلق اشکال وجواب

کام کے آغاز میں تسمیہ اورتحمید وغیرہ کی فضیلت میں وارد ہونے والی حدیث کی تخریج وتحقیق

مولانا محمد صدیق ابوالحاج مظفری

کسی بھی کام کے آغاز میں تسمیہ اورتحمید کی فضیلت سے متعلق حدیث متعدد کتب میں وارد ہوئی ہے اور تمام کتبِ حدیث میں یہ ابن شهاب الزهري عن أبي سلمة کے طریق سے صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، البتہ! ابن شہاب زہری کے بعد اس کی سند بعض کتب میں بدل جاتی ہے، اس حدیث کے الفاظ میں چونکہ غیر معمولی فرق پایا جاتا ہے کہ بعض طرق میں ببسم الله، بعض میں بحمد الله، بعض میں بذكر الله اور بعض طرق میں شهادة کے الفاظ وارد ہوئے ہیں، جس کی وجہ سے بعض مرتبہ یہ خیال کرلیا جاتا ہے کہ یہ الگ الگ احادیث ہیں، حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں ہے۔ چنانچہ ان میں سے ہر ایک نوع کے الفاظ کی تخریج درجِ ذیل ہے:(۱)

تحمید: كلُّ أمر ذي بال لا يُبدَأُ فيه بـ حمد الله، فهو أقطعُ یہ صحیح ابن حِبّان کے الفاظ ہیں(۱)، تحمید کی فضیلت والی یہ روایت الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ صحیح ابن حِبّان کے علاوہ مصَنَّف ابن ابی شیبہ، سننِ ابن ماجہ، سننِ ابی داود، سننِ کبریٰ نَسائی اور سننِ کبریٰ بیہقی وغیرہ میں »عن أبي عمرو الأوزاعي، عن قرة بن عبد الرحمن، عن ابن شهاب الزهري، عن أبي سلمة کے طریق سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعًا مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”ہر وہ مہتم بالشان کام جسے اللہ تعالی کی حمد سے شروع نہ کیا جائے، وہ بے برکت ہوتا ہے(۲)۔ سند کے اعتبار سے یہ روایت ”حسن لغیرہ“ ہے، اس کے رُواتِ سند میں سے اگرچہ ”قرہ بن عبدالرحمن“ پر کچھ کلام کیا گیا ہے، مگر یہ کلام اتنا سخت نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ان کی روایات کو بالکل ہی رد کردیا جائے، بلکہ قرہ بن عبدالرحمن شواہد ومتابِعات میں ”صحیح مسلم“ کے رُوات میں سے ہیں اور دوسرا یہ کہ محمد بن الولید الزَّبیدی اور حسن بن عمر سمیت چھ روات نے ان کی متابعت کی ہے، چنانچہ امام بیہقی (متوفی ۴۵۸ھ) رحمہ اللہ ”سننِ کبریٰ“ میں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: أسنده قرة، ورواه يونس بن يزيد وعُقَيل بن خالد وشعيب بن أبي حمزة وسعيد بن عبد العزيز عن الزهري عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلًا(۳)۔ ترجمہ: اس حدیث کو قرہ بن عبدالرحمن نے مسندًا (یعنی سندِ متصل کے ساتھ مرفوعًا) روایت کیا ہے، جبکہ یونس بن یزید، عقیل بن خالد، شعیب بن ابی حمزہ اور سعید بن عبدالعزیز نے ابن شہاب زہری سے اسے سندِ

مرسل کے ساتھ مرفوعاً نقل کیا ہے۔(۲)

تسمیہ: کلُّ أمر ذي بال لا یُبدَأُ فیه بـ بسم اللہ الرحمن الرحیم، [فھو] أقطعُ.

تسمیہ کی فضیلت والی اس روایت کو خطیب بغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) رحمہ اللہ نے الجامع لأخلاق الراوی وآداب السامع (۴) میں اور حافظ عبد القادر الرُّہاوی (متوفی ۶۱۲ھ) رحمہ اللہ نے الأربعین المتباینة الإسناد والبُلدان (۵) میں عن أبي عمرو الأوزاعي، عن ابن شھاب الزھري، عن أبي سلمة، عن أبي ھریرة کے طریق سے مرفوعاً نقل کیا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ مہتم بالشان کام جسے بسم اللہ الرحمن الرحیم سے شروع نہ کیا جائے، وہ بے برکت ہو جاتا ہے۔''

البتہ! اس طریق میں امام اوزاعی اور اُن کے شیخ ابن شہاب زہری رحمہما اللہ کے درمیان قرہ بن عبد الرحمن کا واسطہ نہیں ہے، جبکہ دیگر طرق میں ان کے درمیان یہ واسطہ موجود ہے، جیسا کہ اس کی تخریج اوپر آچکی ہے، چنانچہ اسی وجہ سے بعض حضرات نے اس طریق کو ''مضطرب'' قرار دیا ہے، لیکن تاج الدین سُبکی (متوفی ۷۷۱ھ) رحمہ اللہ نے ''طبقات الشافعیۃ الکبریٰ'' میں اس کے مضطرب ہونے کی نفی کی ہے، چنانچہ وہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں: أقول: لا اضطراب [فیه]؛ فإنه لا مانعَ أن یُروی الحدیثُ تارةً عن واحد، وتارةً عن شیخ ذلک الواحد إذا کان قد سمِعَه منھما، ولا سِیَّما عند اختلاف اللفظ..... فلعله سمِعَه من قُرَّة عن الزھري بلفظ الحَمْدَلَة، وسمِعَه ھو من الزھري بلفظ البَسْمَلَة(۶). یعنی: میں کہتا ہوں کہ اس میں کوئی اضطراب نہیں ہے، کیونکہ اس بات میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ایک بار حدیث ایک شیخ سے روایت کی جائے اور دوسری بار اُس شیخ کے شیخ سے روایت کی جائے، جبکہ راوی نے ان دونوں (شیخ اور شیخ الشیخ) سے وہ روایت سنی ہو، بطورِ خاص جب الفاظ کا اختلاف پایا جائے، تو اس کے امکانات اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں، پس امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ''بحمد للہ'' کے الفاظ سے اس حدیث کو ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے قرہ بن عبد الرحمن کے واسطے سے سنا ہوگا، تو اس وجہ سے ان الفاظ کو بالواسطہ نقل کیا ہے، جبکہ ببسم اللہ کے الفاظ کو بغیر کسی واسطے کے سنا ہوگا، تو اس وجہ سے ان الفاظ کو بلاواسطہ براہِ راست ابن شہاب زہری رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے۔(۳)

ذکر اللہ: کلُّ أمر ذي بال لا یُفتَحُ بـ ذکر اللہ، فھو أبترُ. ذکر اللہ کی فضیلت والی یہ روایت مسند احمد اور سننِ دارَقطنی میں: عن أبي عمرو الأوزاعي، عن قرة بن عبد الرحمن عن ابن شھاب الزھري، عن أبي سلمة، عن أبي ھریرة کے طریق سے مرفوعاً مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ مہتم بالشان کام جسے اللہ تعالیٰ کے ذکر سے شروع نہ کیا جائے، وہ ناقص رہ جاتا ہے(۷)۔''(۴)

شہادۃ: کلُّ خطبة ليس فيها شهادةٌ فهي كاليد الجذماء. تشہد کی فضیلت والی یہ روایت مسند احمد، سننِ ابی داود، جامع ترمذی اور صحیح حِبَّان وغیرہ میں عن عاصم بن كليب عن أبيه، عن أبي هريرة کے طریق سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ خطبہ جسے تشہد (یعنی اللہ تعالی کی توحید کی گواہی) سے شروع نہ کیا جائے، وہ انگلیاں کٹے ہاتھ کی طرح ہوتا ہے''(۸)۔

فائدہ: یہ حدیث صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے، البتہ! اس کے الفاظ میں غیر معمولی اختلاف پایا جاتا ہے، جو کہ ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کے بعد کی سند میں تعدُّدِ طرق کے پیشِ نظر شاید وجود میں آیا ہے، اس اختلافِ لفظ کو بعض حضرات نے الگ الگ احادیث سمجھ لیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ ایک ہی حدیث کے مختلف الفاظ ہیں، چنانچہ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) رحمہ اللہ نے ''فیض الباري'' میں اس حدیث کے مختلف الفاظ کو ذکر کرنے کے بعد اس کے متعلق فرمایا ہے: وخالَ بعضُهم التَّعارضَ، وظنَّ اختلافَ الألفاظ اختلافَ الحديث، والحالُ أن الحديثَ واحدٌ(۹). یعنی: بعض حضرات نے اس اختلافِ لفظ کو تعارض پر محمول کرلیا ہے اور انہوں نے اختلافِ الفاظ کو اختلافِ حدیث سمجھ لیا ہے، حالانکہ حقیقت میں یہ ایک ہی حدیث ہے۔ حکم حافظ ابن الصلاح (متوفی ۶۴۳ھ) رحمہ اللہ سے اس حدیث کی ''تحسین'' نقل کی گئی ہے(۱۰)، اسی طرح امام نووی (متوفی ۶۷۶ھ) رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے، چنانچہ وہ اپنی کتاب الأذكار میں مذکورہ مختلف الفاظ سے اس حدیث کے مصادرِ اصلیہ سے تخریج کرنے کے بعد اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: رُوِّينا هذه الألفاظ كلُّها في كتاب "الأربعين" للحافظ عبد القادر الرُّهَاوي، وهو حديث حسن، وقد روي موصولاً كما ذكرنا، وروي مرسلاً، ورواية الموصول جيدة الإسناد (۱۱). یعنی: یہ تمام الفاظ حافظ عبد القادر رُہاوی رحمہ اللہ کی کتاب ''الاربعین'' میں [بھی] ہمیں بیان کیے گئے ہیں اور فی نفسہ یہ حدیث حسن ہے، بعض طرق میں یہ موصولاً مروی ہے اور دیگر بعض میں مرسلاً مروی ہے اور موصولاً یہ ''جید الاسناد'' ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ: ۱) تسمیہ اور تحمید وغیرہ کی فضیلت والی یہ حدیث معتبر اور کم از کم حسن لغیرہ درجے کی روایت ہے، اس کی سند میں اگرچہ قرہ بن عبد الرحمن ایک گونا متکلم فیہ راوی ہے، مگر ایک تو یہ شواہد و متابعات میں صحیح مسلم کے راوی ہیں اور دوسرا ان کی متابعت میں دیگر متعدد رُوات موجود ہیں، جس کی وجہ سے ان کی حدیث کو بالکل رد نہیں کیا جائے گا۔

۲) یہ حدیث متعدد طرق سے صرف حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس کے الفاظ میں غیر

معمولی اختلاف پایا جاتا ہے، تعدُّدطرق کے سبب وجود میں آنے والے اس لفظی اختلاف کو الگ الگ حدیث سمجھ لینا درست نہیں ہے۔

اشکال وجواب: عام طور پر ان مختلف الفاظ کو سامنے رکھتے ہوئے یہ اشکال کیا جاتا ہے کہ فلاں مصنف، مثلاً امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کا آغاز بسم اللہ سے کیا ہے، تسمیہ کے بجائے تحمید کیوں نہیں کیا، حالانکہ حدیث میں تو تحمید سے آغاز کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے؟!!! ایک دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ امامِ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے خطبہ میں صرف تسمیہ کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے، اس کے ساتھ تحمید کیوں نہیں لائے، حالانکہ کسی بھی اچھے کام کے شروع میں تحمید کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے؟!!! یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ یہ دونوں الگ الگ اعتراضات ہیں، عام طور پر شروحاتِ حدیثیہ میں اس حوالے سے خلط پایا جاتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک اعتراض ذکر کر کے اس کے مختلف جوابات دیے جاتے ہیں، جن میں سے بعض جوابات کا تعلق پہلے اعتراض سے اور بعض کا تعلق دوسرے اعتراض سے ہوتا ہے، جس کی وجہ سے قاری تردُّد میں پڑ جاتا ہے۔ ذیل میں ان دونوں اعتراضات کے الگ الگ جوابات تحریر کئے جاتے ہیں:

پہلے اعتراض کا جواب: یہ حدیث اگرچہ مختلف الفاظ سے مروی ہے کہ جن میں سے بعض سے ابتداء بالتسمیۃ، بعض سے ابتداء بالتحمید، بعض سے ابتداء بالشہادۃ اور بعض سے ابتداء بذکر اللہ کی فضیلت سمجھی جارہی ہے، مگر امامِ بخاری رحمہ اللہ نے بسم اللہ سے اپنی کتاب کا آغاز اس لیے کیا ہے کہ ان میں سے تسمیہ سے ابتداء والے الفاظ کو باقیوں پر اس طور پر ترجیح حاصل ہے کہ اس میں قرآنِ کریم کی سورتوں کی متابعت ہے اور سورۂ علق میں وارد اللہ تعالیٰ کے حکم اقرأ باسم ربک کا امتثال واتباع ہے، نیز جنابِ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطوط اور زمانۂ نبوت سرکاری والا ناموں سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے کہ اُن کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا گیا تھا۔ یہ جواب امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) رحمہ اللہ نے ''فیض الباري'' میں ذکر فرمایا ہے(۱۲)، اس سے ملتی جلتی تعبیر فتح الباری اور عمدۃ القاری میں بھی موجود ہے، ان دونوں کتابوں کے حوالہ جات آگے آرہے ہیں۔ اس سوال کے جواب میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ حدیثِ تحمید منسوخ ہو چکی ہے، اسی طرح یہ کہنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ قرہ بن عبد الرحمن کے متکلم فیہ ہونے کی وجہ سے حدیثِ تحمید ضعیف تھی، اس لیے امامِ بخاری رحمہ اللہ نے تحمید کے بجائے تسمیہ سے اپنی کتاب کا آغاز کیا ہے، کیونکہ تسمیہ یا تحمید سے کتاب کا آغاز کرنا ایک عمل ہے اور امامِ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں تخریجِ حدیث کے لیے صحت کی شرط لگائی ہے، نہ کہ اس سلسلے میں معمولی یا غیر معمولی ہر چھوٹے بڑے عمل کے لیے، ورنہ تو پھر امامِ بخاری رحمہ اللہ کے اس عمل پر بھی اعتراض ہونا چاہیے کہ وہ اپنی صحیح میں کوئی بھی حدیث

درج کرنے سے پہلے غسل اور دو رکعت نماز نفل کا اہتمام کیا کرتے تھے(۱۳)، حالانکہ آغازِ کتاب کے لیے ان میں سے کوئی بھی چیز حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ باقی قرہ بن عبدالرحمن پر کلام کی نوعیت تخریجِ حدیث کے دوران اوپر درج کی جا چکی ہے کہ ایک تو یہ اس قدر سخت متکلم فیہ راوی نہیں ہے کہ ان کی احادیث کو سرے سے ہی رد کر دیا جائے اور دوسرا ان کی متابعت میں دیگر متعدد رواۃ موجود ہیں کہ جس کی وجہ سے اس روایت میں تقویت آ گئی ہے۔

دوسرے اعتراض کے جوابات:

جواب نمبر(۱): ابتداء بالتحمید کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

(۱) خطبہ تحمید پڑھنا بھی اور لکھنا بھی۔

(۲) خطبہ تحمید صرف لکھنا۔

(۳) خطبہ تحمید صرف پڑھنا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے ان میں سے تیسری صورت پر عمل کیا ہے کہ خطبہ تحمید پڑھا تو ہوگا، مگر لکھا نہیں، دوسرے اعتراض کا یہی جواب راجح ہے، ورنہ احادیثِ مبارکہ میں تسمیہ کے ساتھ صرف خطبہ تحمید نہیں، بلکہ صلاۃ وسلام کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے، پھر اسے بھی لانا چاہیے تھا۔ یہ جواب حافظ ابن حجر عسقلانی (متوفی ۸۵۲) رحمہ اللہ نے ''فتح الباري'' میں اور علامہ بدرالدین عینی (متوفی ۸۵۵ھ) رحمہ اللہ نے عمدۃ القاری میں ذکر فرمایا ہے اور حافظ صاحب نے اسے بہت پسند کیا ہے(۱۴)۔

جواب نمبر(۲): تحمید کا مقصد اللہ تعالی کی ثناء اور تعریف کرنا ہے اور ثناء کے لیے محض لفظِ حمد متعین نہیں ہے، بلکہ ثناء کا یہ مقصد اللہ تعالی کی بڑائی پر مشتمل دیگر الفاظ سے بھی حاصل ہوسکتا ہے، جو کہ یہاں پر تسمیہ کے ضمن میں حاصل ہوگیا ہے، اس لیے اب مستقل طور پر الفاظِ تحمید لانے کی ضرورت نہ رہی، کیونکہ تسمیہ میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام بھی آ گیا ہے اور اللہ تعالی کے صفاتی نام (رحمٰن و رحیم) بھی آ گئے ہیں، جو کہ تعریف اور ثناء کو متضمن ہیں۔ یہ جواب شہاب الدین قسطلّانی (متوفی ۹۲۳ھ) رحمہ اللہ نے إرشاد الساري میں اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) رحمہ اللہ نے ''لامع الدراري'' میں دیا ہے(۱۵)۔

جواب نمبر(۳): تسمیہ کے ساتھ تحمید اور صلاۃ وسلام وغیرہ کی ضرورت خطبات اور مستقل تصانیف میں ہوتی ہے، نہ کہ کراسات اور رسائل وغیرہ میں، امامِ بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو دراصل کراسات کی شکل میں لکھا تھا، اس وجہ سے اس کے شروع میں خطبہ تحمید وغیرہ نہیں لائے۔ یہ جواب حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے ''فتح الباري'' میں ذکر فرمایا ہے(۱۶) اور ہمارے حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی (متوفی ۱۴۰۲ھ) رحمہ

اللہ کے اُس خواب سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے، جو انھوں نے الأبواب و التراجم اور ''تقریرِ بخاری'' میں نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ امیر تبلیغی جماعت حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کے اشارے پر میں حج کے دنوں مکہ مکرمہ حاضر ہوا، وہاں میں نے بہت سے سچے خواب دیکھے اور میرے لیے مبشرات ظاہر ہوئے، حرم پاک میں ایک رات میں نے یہ خواب دیکھا کہ شرق وغرب کے علماء جمع ہیں اور وہ مجھے یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ ہمیں صحیح بخاری پڑھائیں، میں گھبرا گیا اور میں نے کہا کہ میرے پاس نہ تو کوئی کتاب ہے اور نہ ہی کوئی شرح ہے، میں کیسے پڑھاؤں؟ اتنے میں میری نظر پڑی کہ امامِ بخاری رحمہ اللہ بھی وہاں تشریف فرما ہیں، آپ رحمہ اللہ مجھ سے فرمانے لگے کہ تم درس دینا شروع کرو، جہاں کہیں ضرورت پڑے گی، میں بتلا دوں گا، چنانچہ میں نے درس دینا شروع کیا اور ابتداء میں یہی سوال اُٹھایا کہ امام بخاری رحمہ اللہ اپنی کتاب میں خطبۂ تحمید کیوں نہیں لائے اور اس کے میں نے سات جوابات دیے، امامِ بخاری رحمہ اللہ یہ سن کر مسکرا پڑے اور فرمایا کہ یہ سب جوابات غلط ہیں، اصل بات یہ ہے کہ میں نے اپنی کتاب کراسات کی شکل میں لکھی تھی کہ کتاب الایمان کی الگ کاپی تھی اور کتاب العلم کی الگ کراسہ تھی، وغیرہ، وغیرہ، میں نے شروع میں اسے بطورِ کتاب مرتب نہیں کیا، بلکہ بعد میں ان سب کراسات کو جمع کر کے کتابی شکل دے دی، اس وجہ سے شروع میں خطبہ نہیں لایا جاسکا (۱۷)۔ باقی اس کے جواب میں یہ کہنا کہ امامِ بخاری رحمہ اللہ نے شروع کتاب میں خطبہ لکھا تو تھا، لیکن بعد میں راویانِ کتاب نے اسے حذف کر دیا، یہ درست نہیں ہے، اس صورت میں تو پھر پوری کتاب سے ہی اعتماد اُٹھ جائے گا، اسی طرح یہ کہنا بھی درست معلوم نہیں ہوتا کہ امامِ بخاری رحمہ اللہ شروع میں حدیثِ نیت ہی خطبۂ تحمید کے طور پر لائے ہیں، کیونکہ حدیثِ نیت کا مفہوم ہی بتا رہا ہے کہ یہ تحمید کے بعد مقاصدِ خطبہ میں سے ہے اور پھر اس میں کوئی ایسا لفظ ہی نہیں ہے کہ جو تحمید پر دلالت کر رہا ہو!۔

تنبیہ: اس طرح کے سوال وجواب کا چونکہ عام رواج ہے، اس وجہ سے ہم نے مدرسین کی دلی تسکین کی خاطر مذکورہ حدیث کے تحت یہ تفصیلات درج کر دی ہیں، باقی کتاب کو شروع کراتے وقت طلبہ کو اس طرح کے سوال وجواب میں اُلجھانے کے بجائے حلِ کتاب پر ان کی توجہ کو مرکوز کرانا چاہیے کہ اسی میں ان کا فائدہ ہے اور اس کی وجہ سے نصاب کی حق تلفی بھی نہیں ہوگی۔

==========حوالہ جات==========

(۱) »صحیح ابن حبان«: ۱/۱۷۳، رقم الحدیث: ۱۔۲، ط: مؤسسة الرسالة، بیروت، لبنان. (۲) »المصنف« لابن أبي شيبة: ۱۳/ ۵۷۶، ۲۷۲۱۹، ط: إدارة القرآن، كراتشي، و »سنن ابن ماجه«: ۳/۹۰، رقم: ۱۸۹٤، ط: الرسالة العالمية، و »سنن أبي داود«: ۷/ ۲۰۹، رقم: ٤٨٤٠، ط: الرسالة العالمية، بيروت،

و »السنن الكبرى « للنسائي:١٢/ ١٦٢، رقم: ١٠٢٥٥، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت. (٣) »السنن الكبرى « للبيهقي: ٣/ ٢٩٥، رقم: ٥٧٦٨، ط: دار الكتب العلمية، بيروت.(۴) »الجامع لأخلاق الراوي وآداب السامع«:٢/٦٩، رقم:١٢١٠، ط:مكتبة المعارف، الرياض.(»فهو« كا اضافه تاج الدين سبکی رحمه الله کی کتاب "طبقات الشافعية" سے کیا گیا ھے، یه لفظ "الجامع" میں نهیں ھے اور رُھاوی کی کتاب مطبوع ھی نهیں ھے) (۵) »المنهاج في شرح صحيح مسلم بن الحجّاج«، شرح خطبة الكتاب:١/٤٣، ط: دار إحياء التراث العربي، بيروت.(٦) »طبقات الشافعية الكبرى«:١/١٢، ط: هجر للنشر والتوزيع، مصر.(٧) »مسند أحمد«: ١٤/ ٣٢٩، رقم: ٨٧١٢، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، و »السنن« للدارقطني:١/٤٢٨، رقم:٨٨٤، ط: مؤسسة الرسالة. (٨) »مسند أحمد«: ١٤/ ٢٠٦، رقم: ٨٥١٨، ط: مؤسسة الرسالة، بيروت، و »سنن أبي داود«: ٧/ ٢١٠، رقم: ٤٨٤١، ط: مؤسسة الرسالة، و »جامع الترمذي«: ٢/ ٤٠٥، رقم: ١١٠٦، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت، و »صحيح ابن حبان«: ٧/٣٦، رقم: ٢٧٩٦، ط: مؤسسة الرسالة. (٩) »فيض البارى على صحيح البخارى«:١/٧٧، ط: مكتبة رشيديه، كوئته، باكستان.(١٠) »التوضيح لشرح الجامع الصحيح« لابن الملقن:١/ ١٢٢، ط: دار النوادر، دِمَشْق.(١١) »حِلْية الأبرار وشِعار الأخيار في تلخيص الدعوات والأذكار المستحبَة في الليل والنهار«، المعروف بـ »الأذكار النووية«، ص: ٢١٤، ط: دار ابن حزم، بيروت.(١٢) »فيض البارى على صحيح البخارى«: ١/ ٧٧، ط: مكتبة رشيديه، كوئته، باكستان.(١٣) »تاريخ مدينة السلام«، المعروف بـ »تاريخ بغداد«: ٢/ ٣٢٢، ط: دار الغرب الإسلامي، بيروت.(١۴) »فتح الباري بشرح صحيح البخاري«: ١/ ٨، ط: المكتبة السلفية، و »عمدة القارئ«: ١/ ٨١، ط: مكتبة رشيديه، كوئته.(١٥) »إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري:١/٤٧، ط: المطبعة الكبرى الاميرية، مصر، و »لامع الدراري«: ١/١، ط: أيچ، أيم، سعيد كمپني، كراتشي.(١٦) »فتح الباري بشرح صحيح البخاري«: ١/ ٨، ط: المكتبة السلفية، الرياض.(١٧) »الأبواب والتراجم لصحيح البخاري«:١/٢٦٠، ط: دار البشائر الإسلامية، بيروت، و »تقرير بخاري«:١/٦٤، ط: مكتبة الشيخ، كراتشي.

صدق و اخلاص کی قابل تقلید مثالیں

مولانا بدر الحسن القاسمی (کویت)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نور اللہ مرقدہ کی علمی تحقیقات اور بیش قیمت افادات کے مستند راوی و ناقل اور قریبی رشتہ داری کی وجہ سے جلوت وخلوت کے حاضر باش؛ ''ملفوظات کشمیری'' کے مرتب اور اردو شرح بخاری ''انوار الباری'' کے مصنف مولانا سید احمد رضا بجنوری جن کے بارے میں خود حضرت شاہ صاحب نے ایک مرتبہ فرمایا:

''یہ صاحب اگر پہلے میسر ہوجاتے تو بڑا کام ہوجاتا'' جو انکی پختہ علمی صلاحیت و استعداد اور فہم وفراست پر شاہ صاحب کے اعتماد کی کھلی دلیل ہے مشہور حدیث ''اذا وسدت الامانة الي غير اهلها'' پر گفتگو کرتے ہوئے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے کئی ائمہ و محدثین کے واقعات سنائے۔

فیض الباری میں مولانا بدر عالم میرٹھیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے، مولانا احمد رضا بجنوری صاحب نے بھی اپنی تائید کے ساتھ اسے ہی نقل کیا ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا تھا کہ: امام شافعی رحمہ اللہ مالدار نہیں تھے، جو تحائف اور ہدایا لوگ پیش کرتے تھے ان کو بھی فوراً مستحقین میں تقسیم کردیتے تھے، اس لیے زندگی عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ ان کے شاگرد ابن عبد الحکم بڑے مالدار تھے، وہ امام صاحب کی بہت خدمت کرتے تھے۔ امام شافعی ان کے یہاں مہمان ہوئے تو انہوں نے ضیافت کا بڑا اہتمام کیا، باورچی کو انواع واقسام کا کھانا تیار کرنے کی ہدایت کی، امام شافعی کی نظر کھانے کی فہرست پر پڑی تو آپ نے بھی اپنی رغبت کے ایک کھانے کی نشاندہی کی، ابن عبد الحکم کو اس سے بڑی خوشی ہوئی کہ استاذ کو ایک کھانا پسند ہے۔ 54 سال کی عمر میں امام شافعی کو احساس ہوا کہ زندگی اب زیادہ باقی نہیں رہی اور سفر آخرت کا وقت قریب ہے۔ لوگوں نے درخواست کی کہ اپنا جانشیں منتخب کردیں۔ ابن عبد الحکم بھی وہاں موجود تھے اور گہرے تعلق اور خدمت کی وجہ سے انہیں بھی شاید توقع ہو لیکن امام شافعی رحمہ اللہ نے کسی کی رعایت کئے بغیر اپنا جانشیں امام اسماعیل بن یحیٰ المزنی کو متعین کیا جو اما طحاوی کے ماموں تھے۔

فقہ حنفی کے امام ہدایہ کے شارح علامہ ابن الھمام نے ساری زندگی تدریس وتعلیم کی کوئی اجرت نہیں لی، زاہد وعابد اور اپنے وقت کے شیخ طریقت تھے، بادشاہ وقت ان کا بڑا معتقد تھا، علامہ بدر الدین العینی اور حافظ ابن حجر عسقلانی بھی انکے ہم عصر تھے لیکن خلیفہ مسائل کے بارے میں انہیں سے رجوع کیا کرتا تھا، ان کے

انتقال کا وقت قریب ہوا تو انہوں نے بھی اپنے بہت سارے شاگردوں کو چھوڑ کر علامہ قاسم بن قطلو بغا کو اپنا جانشیں منتخب کیا کیوں کہ تمام شاگردوں میں وہی فقہ اور حدیث میں مہارت کے ساتھ تقوی وطہارت میں بھی اوروں سے فائق تھے۔

ایسا ہی معاملہ بارھویں صدی ھجری کے نامور محدث شیخ ابوالحسن سندھی کا بھی ہے، وہ اپنے استاذ شیخ محمد حیات سندھی کے درس میں عام طور پر خاموش اور ساکت وصامت بیٹھے رہا کرتے تھے، جس سے عام لوگوں کو ان کے علم وفضل کا اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن جب استاذ شیخ محمد کے انتقال کا وقت قریب آیا تو لوگوں کو حیرت ہوئی کہ انہوں نے اپنا جانشیں شیخ ابوالحسن السندی کو بنایا جن کے علمی کارنامے آج بھی روشن ہیں۔

فیض الباری کے مرتب اور ''ترجمان السنہ'' کے مصنف مولانا بدر عالم نے اس فہرست میں یہ اضافہ کیا ہے کہ 1334ھ میں جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب نے سفر حجاز کا عزم فرمایا تو آپ کے بہت سے شاگرد لائق وفائق اور علم وفضل میں باکمال تھے لیکن آپ نے علامہ انور شاہ کشمیری کو اپنا جانشیں بنایا اور دارالعلوم دیوبند میں صحیح بخاری کا درس ان کے سپرد کیا، حالانکہ وہ نہایت ہی خاموش طبیعت زاویہ نشیں اور شیخ ابوالحسن سندھی کی طرح نمود ونمائش سے کوسوں دور تھے اور یہ انتخاب بے حد برمحل ثابت ہوا اور سبھوں نے تسلیم کر لیا کہ شیخ الہند کا انتخاب الہامی اور ہر طرح مناسب تھا۔

میں کہتا ہوں کہ اس فہرست میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی طرف سے مظاہر علوم میں شیخ الحدیث کی جگہ پر مولانا محمد یونس صاحب کے انتخاب کو بھی شمار کرنا چاہیے۔

انوار الباری شرح صحیح البخاری:

ممتاز اہل قلم اور ارباب علم وتحقیق کی انوار الباری کے بارے میں رائے یہ ہے: اردو میں بخاری شریف کی یہ شرح مکمل ہوگئی اور خدا کرے جلد مکمل ہو جائے تو یہ بہت بڑا کارنامہ ہوگا جو مولانا سید احمد رضا صاحب کے ہاتھوں انجام پائے گا جسکی نظیر اردو زبان میں خدمت حدیث کیلئے اب تک ظہور میں نہیں آئی (مولانا ظفر احمد عثمانی)

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے علم وفن کی جو خدمت انجام دی ہے وہ سب اپنی جگہ پر لیکن حضرت الاستاذ رحمہ اللہ کے تعلق سے یہ اہم کام انجام دیکر ہم حلقہ بگوشان آستانہ انوری پر احسان عظیم کیا ہے۔اس سے ہم لوگ کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتے فجز اکم اللہ احسن الجزاء عن سائر تلامذۃ الاستاذ الجلیل رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کاملۃ (مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

معانی ومطالب حدیث کے علاوہ نتائج کی طرف بوضاحت اشارات قابل داد ہیں جگہ جگہ امام العصر کے جستہ جستہ ریمارکس نکات اور تطبیق نے چار چاند لگائے ہیں جن سے افادات کے انوار کی بارش ہوتی جاتی ہے جس شئ کی تمنا

تھی خداوند قدوس آپکے علمی ذوق سے پورا کرار ہا ہے(مولانا مفتی مہدی حسن صاحب)

اللہ تعالیٰ امت کو جلد اس گوہر گرانمایہ سے مستفید فرمائے اور امام العصر حضرت شیخ کے علوم وجواہر سے امت کو اس اردو شرح کے ذریعہ فیضیاب بنائے (علامہ سید محمد یوسف بنوری)

اللہ جل شانہ اس قیمتی شرح کو آپ کے ہاتھوں تکمیل کو پہنچائے یہ کام اتنا قیمتی ہے کہ پورا ہونے کے بعد عمروں قوم اس کام کی قدر کریگی، الحمدللہ علی ماوفقک وھداک (علامہ ابوالوفا افغانی)

صحیح بخاری کی بیشتر اردو شرحیں درسی تقریروں کا مجموعہ ہیں لیکن ''انوار الباری'' شرح صحیح البخاری باقاعدہ مولانا سید احمد رضا بجنوری کا امتیاز بھی علامہ محمد انور شاہ کشمیری کے افادات اور اور علوم وافکار کی تدوین ہی ہے لیکن اس میں کتاب کو حل کرنے کی جس طرح کوشش کی گئی ہے وہ کسی دوسری اردو شرح یا شاگردوں کی طرف سے مرتب کردہ املائی درسی تقریروں میں نظر نہیں آتی۔ مولانا سید احمد رضا صاحب کی کتاب اگر مکمل ہوجاتی تو اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ''فیض الباری'' اور ''العرف الشذی'' وغیرہ میں جو غلطیاں رہ گئی ہیں یا شاہ صاحب کی آراء کو نقل کرنے میں تسامحات ہوگئی ہیں ان کی تصحیح ہوجاتی ''العرف الشذی'' کی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی تصحیح اور حوالوں کی مراجعت تو ایک حد تک علامہ محمد یوسف بنوری کی ''معارف السنن'' کے ذریعہ ہوگئی ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ بھی مکمل نہیں ہوسکی، مثال کے طور پر خود مولانا ہی کی زبانی سنیے: فیض الباری ج 2 ص 76 پہ ہے: **ترجمة الباب سترة الامام سترة من خلفه** ''یہ الفاظ حدیث ابن ماجہ کے ہیں جسکی اسناد ساقط ہے اسی لئے امام بخاری نے اسکے حدیث ہونے کی طرف اشارہ نہیں کیا'' یہاں ترتیب املاء کے وقت تسامح ہوگیا اور مراجعت کتب کے ذریعہ تصحیح بھی نہیں کی گئی جس کی وجہ سے غلطی حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب ہوگئی (افسوس ہے کہ ایسی مسامحات بکثرت ہوئی ہیں فلیتنبہ لہ) حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے بجائے ابن ماجہ کے طبرانی فرمایا تھا اور وہی صحیح بھی ہے۔

علامہ عینی، حافظ ابن حجر عسقلانی، الجامع الصغیر میں علامہ سیوطی نے اور کنوز الحقائق میں علامہ مناوی نے بھی طبرانی ہی کا حوالہ دیا ہے ابن ماجہ کی طرف اس حدیث کو کسی نے منسوب نہیں کیا۔ احقر نے بھی مراجعت کی تو اس میں یہ موجود نہیں ہے (انوار الباری ج 14 ص 368)

اس لیے نہ یہ صحیح ہے کہ وہ حضرت کے امالی میں سب سے معتمد ہے اور نہ یہ بات کہ حضرت کے مطالعہ سے گزر چکی ہے (انوار الباری ج 14 ص 448) مولانا سید احمد رضا بجنوری کی کتاب انوار الباری میں صحیح بخاری کے فنی پہلوؤں کو اجاگر کرنے فقہ حنفی کی تائید میں دلائل فراہم کرنے اور بخاری کے شارحین خاص طور پر

علامہ بدرالدین عینی کے مناقشات نقل کرنے کے ساتھ اپنے معاصر مصنفین کی غلطیوں پر تنبیہ کرنے کا فریضہ بھی بڑی قوت سے انجام دیا ہے، چنانچہ انہوں نے جہاں صحیح بخاری کے عرب شارحین سے اختلاف کیا اور انکی مسامحات کا ذکر کیا ہے وہیں مولانا سید فخر الدین احمد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی بعض تحقیقات سے اختلاف کیا ہے، بعض دوسرے عصری مسائل میں مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ سید سلیمان ندوی، سید ابوالاعلی مودودی وغیرہ کی آراء اور تحقیقات پر بھی تنقیدیں کی ہیں۔جن سے ان کی دقت نظر، حاضر دماغی، گہرے علم اور وسیع مطالعہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا بدر عالم صاحب کی مرتب کردہ کتاب صحیح بخاری پر حضرت شاہ صاحب کے امالی کا مجموعہ ''فیض الباری'' بڑی محنت سے مرتب کیا گیا تھا اور مرتب نے ''البدر الساری'' کے نام سے نہایت ہی قیمتی علمی حاشیہ بھی لکھا ہے۔اس کی طباعت کے لیے مجلس علمی کی طرف سے علامہ مولانا محمد یوسف بنوری اور مولانا احمد رضا بجنوری صاحبان کو مصر بھیجا گیا تھا اس کے بارے میں خود مولانا احمد رضا صاحب فرماتے ہیں: امالی مرتب کرائی گئی چنانچہ فیض الباری کو مصر سے شائع کیا گیا مگر افسوس ہے کہ اس سے جتنی امیدیں وابستہ تھیں وہ پوری نہ ہوسکیں کیونکہ اس میں نہ صرف ضبط وکتابت کی بے شمار غلطیاں ہیں بلکہ کتابوں کے حوالوں میں بھی مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے فاحش غلطیاں ہوگئی ہیں، اس لیے انوار الباری میں ایسی غلطیوں اور فروگزاشتوں کی اصلاح پیش نظر ہے تا کہ حضرت کے علوم وافادات کو حتی الوسع صحیح صورت میں پیش کیا جاسکے (تصویر انور ص 86،87)

مولانا احمد رضا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ: علامہ شبیر احمد صاحب نے فرمایا کہ میں نے علامہ محمد انور شاہ کا رسالہ ''کشف الستر عن صلاۃ الوتر'' سترہ بار مطالعہ کرنے کے بعد میں سمجھ سکا ہوں کہ حضرت نے کن کن مشکلات اور اشکالات کا حل فرمادیا ہے۔مولانا احمد رضا صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ صاحب نے رسالہ مذکورہ اور نیل الفرقدین'' بسط الیدین لنیل الفرقدین'' اور '' مرقاۃ الطارم'' وغیرہ کی یادداشتیں احقر کے سپرد فرما کر نقل وترتیب کا کام کرایا تھا جسکی مجلس علمی ڈابھیل سے اشاعت ہوئی، اور یہ ادارہ حضرت ہی کے علوم کی اشاعت کیلئے قائم کیا گیا تھا، وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ: حضرت کی اس طرح کی یادداشتوں کے تین صندوق بھرے ہوئے گھر پر تھے، ان سے سیکڑوں مسائل میں مدد مل سکتی تھی اور آج یہ سب موجود ہوتیں تو صحاح ستہ، معانی الآثار للطحاوی وغیرہ کی بے نظیر شروح تالیف کی جاسکتی تھیں، مگر افسوس کہ حضرت کی وفات کے بعد اس بے مثال خزینہ میں ہمیں کچھ بھی نہ مل سکا بلکہ حضرت کی وہ کتابیں جن پر حضرت نے اپنے قلم سے حواشی لکھے تھے وہ بھی حاصل نہ ہوسکے ''انوار الباری'' میں بہت سے ایسے تبصرے اور علمی افادات ہیں جو کہیں اور نہیں مل سکتے۔

موجودہ زمانہ کی سیرت کی کتابوں کے بارے میں ایک جگہ ہے کہ: ''سیرت کبری'' تالیف علامہ دلاوری نہایت عمدہ اور قابل قدر ہے لیکن افسوس ہے کہ ناقص رہ گئی ''رحمۃ للعالمین'' بھی بعض اعتبارات سے عمدہ اور قابل قدر ہے مگر بعض اہم امور کو نظر انداز کر دیا ہے مثلاً: غزوات کی تفصیل وغیرہ۔

''سیرۃ النبیؐ'' کے اندر خلاف توقع بہت سی جگہ تحقیق کا حق ادا نہیں کیا گیا اور مضامین کی غلطیاں بھی ہیں۔ کاش اسکی نظر ثانی حضرت سید (سلیمان ندوی) صاحب آخر عمر میں کر لیتے جبکہ انہوں نے اس کے بعض مضامین سے رجوع بھی کر لیا تھا اور انکی زندگی میں بڑا انقلاب آچکا تھا۔ اپنے ایک مکتوب میں سید صاحب فرماتے ہیں: دوسری چیز یہ ہے کہ جمہور اسلام جس مسئلہ پر اعتقادی و عملی طور پر متفق ہوں اس کو چھوڑنے تحقیق کی نئی راہ نہ اختیار کی جائے، یہ طریق تواتر اور توارث کی بیخ کنی کے مرادف ہے اس گناہ کا مرتکب کبھی میں خود بھی رہ چکا ہوں اور اسکی اعتقادی و عملی سزا بھگت چکا ہوں اس لیے دل سے چاہتا ہوں کہ کہاں میرے عزیزوں اور دوستوں میں سے کوئی اس راہ سے نہ نکلے تا کہ وہ اس سزائے محفوظ رہے جو ان سے پہلوں کو مل چکی ہے۔'' (انوار الباری ج 12 ص 87)

انہوں نے مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ دلچسپ فقرہ بھی نقل کیا ہے کہ: ''کبھی حضرت شاہ ولی اللہ اور سر سید احمد خان دونوں ایک ہی بات کہتے ہیں مگر ایک سے ایمان پرورش پاتا ہے اور ایک سے کفر''

علامہ انور شاہ کشمیری کے امالی اور درسی افادات کے بارے میں آئندہ کام کرنے والوں اور ان سے استفادہ کرنے والوں کیلئے مولانا سید احمد رضا صاحب کا یہ تجزیہ بیحد مفید ہے: اس وقت حضرت کے امالی درس حدیث میں سے العرف الشذي، انوار المحمود، معارف السنن، اور انوار الباری سامنے ہیں جن میں سے صرف العرف الشذی آپ کی حیات میں شائع ہوئی تھی یہ زمانہ صدارت تدریس دار العلوم کی یادگار ہے جب آپ ترمذی اور بخاری دونوں کا درس دیا کرتے تھے اور حدیثی تحقیقات کو دونوں کے درس پر تقسیم فرمایا کرتے تھے، اسی زمانہ کے درس میں ایک بار حضرت تھانوی قدس سرہ نے بھی شرکت فرمائی تھی اور فرمایا تھا کہ ''حضرت شاہ صاحب کے درس کی شان بہت عجیب ہے اور آپ کے صرف ایک جملہ کی شرح میں ایک رسالہ تصنیف کیا جا سکتا ہے۔'' العرف الشذی کی تالیف سب سے پہلی کوشش تھی اور مواد کی کثرت و فراوانی کے لحاظ سے اس میں حضرت کے درس ترمذی شریف کی کافی جھلک آگئی ہے کتاب میں بعض خامیوں اور طباعت کی غلطیوں کے باوجود اس کے مؤلف مولانا محمد چراغ صاحب کا مدارس کے اساتذہ وطلبہ پر احسان عظیم ہے کہ اسکے ذریعہ انہوں نے علوم انوریہ اور تحقیقات نادرہ علمیہ کے دروازے کھول دیے پھر مدارس عربیہ میں اسی طریقہ پر درس حدیث کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث مولانا سید فخر الدین صاحب اور پاکستان میں مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور مولانا سید محمد یوسف بنوری صاحب خاص طور سے شاہ صاحب کے تحقیقاتی دروس کی امتیازی خصوصیات کو باقی رکھنے میں کامیاب ہیں دوسری کوشش ''انوار المحمود'' کی شکل میں جلوہ گر ہوئی جسکی تالیف 1344ھ میں ہوئی یہ کام کافی محنت اور کاوش کے ساتھ ہوا اور طباعت سے قبل حضرت شاہ صاحب کے ملاحظہ میں بھی آ گیا تھا، اگرچہ بالاستیعاب نہ دیکھ سکے تاہم آپ نے جن مواضع کو دیکھا انکی عبارت اور مضمون کی توثیق فرمائی اور اس کوشش کو سراہا اور العرف الشذی سے اسکو بہتر قرار دیا، البتہ طباعت آپ کی زندگی نہیں ہوسکی اور طباعت کی کچھ غلطیاں بھی رہ گئیں جن سے بچنے کی آپ نے تلقین فرمائی تھی۔ تیسرے نمبر پر فیض الباری کا نام آتا ہے، جس کی تالیف شاہ صاحب کی وفات کے بعد شروع ہوئی اور حضرت کے ملاحظہ میں اس کا کوئی حصہ نہیں آسکا۔ اور اس میں بہت سی غلطیاں بھی رہ گئی ہیں، اس کے بعد معارف السنن کا نمبر ہے جو بہت اہتمام سے اور مراجع کی تحقیق کے ساتھ تالیف کی گئی ہے۔

''سیرۃ النبی'' کے بارے میں ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں: افسوس ہے کہ سیرۃ النبی جیسی محققانہ کتاب میں معراج کے عظیم ترین واہم واقعات تک کی ترتیب و بیان میں تسامحات ہو گئے ہیں اور بہت سے واقعات کی تصحیح وتغلیط میں بھی قلم غیر محتاط ہوگیا ہے کاش سید صاحب آخر عمر میں اسکے مضامین پر نظر ثانی فرمالیتے جبکہ انہوں نے ''رجوع واعتراف'' بھی شائع کردیا تھا اور بہت سی مسامحات پر وہ خود بھی متنبہ ہوچکے تھے۔ ضرورت ہے کہ اب کوئی محقق عالم اس اہم خدمت کی طرف توجہ کرے تاکہ عظیم وجلیل تالیف مبارک کے افادات قیمہ سے دنیائے اسلام کو اور زیادہ فائدہ پہنچے۔ (ج 11 ص 50)

حقیقت یہ ہے کہ ''انوار الباری'' میں صحیح بخاری کی تفہیم وتشریح اور علامہ انورشاہ کشمیری کے گراں قدر علمی افادات کے ساتھ بے شمار فنی نکات اور اپنے زمانہ کی نامور شخصیتوں کی تحریروں اور انکے افکار وتحقیقات پر بصیرت افروز تبصرے اور معلومات افزا تنقیدیں بھی آ گئی ہیں وہ کہیں اور نہیں مل سکتیں پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ انہوں نے جو باتیں بھی لکھی ہیں پوری تحقیق کے ساتھ اور ہر جگہ انکے مراجع کی بھی نشاندہی کردی ہے، افسوس ہیکہ انوار الباری مرتب کرنے کا خیال ان کو بہت بعد میں آیا اس لیے کتاب مکمل نہ ہوسکی اور ایک بڑے علمی خزانے سے دنیا محروم رہ گئی۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ان کے مسودات کا سراغ لگایا جائے، ان کی اپنی یادداشت کے مطابق انہوں نے ڈابھیل میں دوسال تک علامہ انورشاہ صاحب کے دورہ حدیث کے سبق میں شرکت کی اور انکی درسی تقریریں لکھنے کی کوشش کی، انہیں ایام میں مولانا بدر عالم میرٹھی صاحب بھی شاہ صاحب کے امالی لکھتے رہے جو بعد میں ''فیض الباری'' کے نام سے عربی میں شائع ہوئے، ان کے بیان کے مطابق دونوں میں فرق یہ تھا کہ مولانا احمد رضا صاحب

تقریریں اردو میں لکھتے تھے جبکہ مولانا بدر عالم صاحب اردو تقریروں کو عربی میں قلمبند کیا کرتے تھے۔ انکی رائے میں فیض الباری میں غلطیاں رہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی کہ گہرے علمی مضامین کو جو شاہ صاحب کی زبان سے ایک سیل بے کراں کی شکل میں نکلتا تھا انکو ساتھ۔ساتھ عربی میں منتقل کرنا آسان کام نہیں تھا اب سوال یہ ہے کہ انکی لکھی ہوئی باقی درسی تقریریں کہاں ہیں؟ انکے وارثین کے پاس اگر محفوظ ہیں تو تحقیق و تعلیق کے ساتھ انکو بھی شائع کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ اسی طرح انہوں نے حضرت شاہ صاحب کی اپنی علمی یادداشتوں کے جن تین کارٹنوں یا صندوقوں کا ذکر کیا ہے ان کا بھی سراغ لگانا چاہیے تاکہ اس علمی خزینہ اور بیش بہا گنجینہ سے امت فیضیاب ہو سکے اور مطبوعہ امالی میں رہ جانے والی خامیوں کی بھی امکانی حد تک تلافی کی بھی کوشش کی جا سکے۔ مولانا ارشد رضا بجنوری اور مولانا احمد خضر شاہ صاحبان ہی اس سلسلہ میں ہمارے لئے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں اور علوم و تبرکات انوری کے براہ راست یا بالواسطہ اس وقت اصل وارث بھی یہی ہیں۔ خدا کرے ڈابھیل کے اس اجتماع میں علم و فضل کے ان سر چشموں کا کچھ سراغ لگ سکے اور اہل علم کیلئے نئی خوشخبری سامنے آئے اور فیض الباری اور دیگر امالی کی مزید تنقیح ہو سکے کہ ابھی ع: ''ہزار بادہ ناخوردہ دررگ تاک است''۔ و کل امر مرھون بأوقاتھا۔

بقیہ: مولانا زاہد الراشدی: اسی دور میں محکمۂ تعلیم نے بہاولپور کی ایک بڑی دینی درسگاہ جامعہ عباسیہ کو تحویل میں لے کر اسے جامعہ اسلامیہ کے نام سے اسلامی یونیورسٹی کا درجہ دیا تھا اور درس نظامی کے ساتھ عصری تعلیم کے امتزاج کے نام سے ایک مشترکہ نصاب متعارف کروانے کا اعلان کیا تھا۔ اس مقصد کے لیے علامہ شمس الحق افغانی، مولانا عبد الرشید نعمانی، مولانا حامد سعید کاظمی اور مولانا عبد الغفار حسن رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے اکابر علماء کو وہاں تدریس کے لیے بلایا گیا تھا اور کچھ عرصہ تک مشترکہ دینی و عصری نصاب تعلیم کو چلایا گیا تھا۔ مگر آج دیکھ لیا جائے کہ اس کی پوزیشن کیا ہے اور دینی تعلیم کا کتنا حصہ اس کے نصاب میں باقی رہ گیا ہے؟۔

اس تلخ تجربہ کے بعد بھی اگر کوئی حلقہ دینی مدرس سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ سرکاری مداخلت یا کنٹرول کو قبول کر لیں گے تو اسے اپنا دماغی معائنہ کروانا چاہیے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ چند سال قبل ایک یورپی وفد میں شامل ایک خاتون نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ کے سرکاری اہلکار اور بیوروکریٹس اس قدر کرپٹ کیوں ہیں کہ جو بھی ادارہ سرکاری تحویل میں جاتا ہے اس کی حالت دگرگوں ہو جاتی ہے؟ میں نے ان خاتون سے کہا کہ یہ سوال تو مجھے آپ سے کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ یہ سب لوگ آپ حضرات کے شاگرد ہیں اور ان کو جو کچھ پڑھایا ہے آپ لوگوں ہی نے پڑھایا ہے۔

مصنوعی ذہانت، جدید سائنسی مسائل اور ماہرین کی آراء

تحریر وتخریج: ڈاکٹر مبشر حسین رحمانی

سائنسی ایجادات وٹیکنالوجی کی وجہ سے دنیا میں جس رفتار سے ترقی ہو رہی ہے، اس سے نت نئے مسائل پیش آرہے ہیں۔ یہ جدید سائنسی مسائل زندگی کے ہر شعبے یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اور اخلاقیات پر مُحیط ہیں۔ ان مسائل میں دماغی موت، کرپٹو کرنسی، این ایف ٹی، میٹاورس، نیٹ ورک مارکیٹنگ، ڈی این اے اور ثبوتِ نسب، ڈراپ شپنگ، غذائی اشیاء کے حلال وحرام اجزا، لیبارٹری میں تیار کردہ گوشت، مشینی ذبیحہ، میڈیکل انشورنس، ہیومن ملک بینک، کریڈٹ کارڈ، مصنوعی آلہ تنفس، ٹیسٹ ٹیوب اولاد، جدید ذرائع مواصلات سے تجارت، اور اعضاء کی پیوندکاری جیسے مسائل شامل ہیں۔ ان جدید سائنسی مسائل، بالخصوص معاملات، میڈیکل اور جدید سائنس وٹیکنالوجی سے جڑے مسائل، میں اتنا تنوع واختصاص درکار ہوتا ہے کہ ماہرینِ فن ہی ان مسائل کی حقیقت و ماہیت کے بارے میں تفصیل سے جانتے ہیں۔ ان جدید سائنسی مسائل سے متعلق جب کوئی سوال دارالافتاء سے پوچھا جاتا ہے تو مستند دارالافتاء اور جید مفتیانِ کرام کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ ماہرینِ فن سے رُجوع کرتے ہیں، جدید سائنسی مسئلہ کی ماہیت وحقیقت ماہرینِ فن سے اچھی طرح سمجھ کر اور مستند ومعتبر ماہرین کی آراء کا اعتبار کرکے اُنکی آراء کی بنیاد پر بڑی احتیاط کے ساتھ فتویٰ جاری کرتے ہیں۔

راقم کے مشاہدے میں یہ بات آئی ہے کہ بعض دارالافتاء میں تخصص کے طلباء کو جب فتویٰ جاری کرنے کی مشق کرنے کے لیے کوئی جدید سائنسی مسئلہ حل کرنے کے لیے دیا جاتا ہے تو کچھ طلباء مصنوعی ذہانت مثلاً چیٹ جی پی ٹی، جیمنائی، ڈیپ سیک ودیگر سافٹ ویئر سے اس جدید سائنسی مسئلہ کی ماہیت وحقیقت اور عالمی سائنسدانوں کی آراء جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کرنے سے کئی نقصانات ہو رہے ہیں۔

□ اول: تخصص کے ان طلباء کو اصل سائنسی مآخذ اور مستند سائنسی ماہرین کی آراء تک رسائی نہیں ہو پاتی اور نتیجتاً وہ کسی جدید سائنسی مسئلہ پر یک طرفہ رائے پر انحصار کر رہے ہوتے ہیں۔

□ دوم: تخصص کے طلباء جدید سائنسی مسائل یعنی شئی کی ماہیت وحقیقت تک رسائی نہیں کر پاتے۔

□ سوم: مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر (یعنی باطل قوتیں) جس جدید سائنسی مسئلہ کے بارے میں جو رائے ان تخصص کے طلباء کی قائم کروانا چاہتی ہیں ایسا کروانے میں اُن کو کافی حد تک کامیابی مل جاتی ہے۔

☐ چہارم: مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر سے اکثر من گھڑت مواد اور معدوم سائنسی حوالہ جات جب دیے جاتے ہیں تو یہ طلباء اس من گھڑت مواد اور معدوم سائنسی حوالہ جات (ایسے سائنسی مقالے وکُتب جو کہ سرے سے موجود ہی نہیں) کو اپنے فتویٰ میں تحریر کرتے ہیں جس سے ان کے فتویٰ کا معیار اور قابلِ اعتبار ہونے پر سوالیہ نشان پیدا ہوتا ہے۔ نیز بعض مرتبہ حوالہ جات تو درست ہوتے ہیں مگر ان درست حوالہ جات سے متعلق جو بات منسوب کی جاتی ہے وہ ان مقالوں میں نہیں لکھی ہوئی ہوتی۔

☐ پنجم: اگر تخصص کے طلباء کی اس سائنسی تحقیق پر اعتبار کرتے ہوئے دارالافتاء سے فتویٰ جاری ہو جاتا ہے اور اس فتویٰ کی سائنسی بنیاد درست نہیں ہوتی تو سائنسی دنیا میں مفتیانِ کرام کی بدنامی کا سبب بنے گا کہ دارالافتاء کو جدید سائنسی مسائل کی اصل حقیقت کا ادراک ہی نہیں ہے۔

☐ ششم: جب جدید سائنسی مسائل میں شئی کی ماہیت وحقیقت تک رسائی نہیں ہوئی، اور ان تخصص کے طلباء کی یک طرفہ رائے قائم ہوگئی اور اس پر فتویٰ بھی جاری ہو گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس جدید سائنسی مسئلے کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف مزید پروان چڑھتا ہے اور پھر علمائے کرام کے مقالات میں جا بجا غیر معیاری سائنسی تحقیق کے حوالے آنے شروع ہو جاتے ہیں اور حق بات پسِ پُشت چلی جاتی ہے اور اس طریقے سے باطل قوتیں اپنے نظریات کی جڑیں مسلمانوں میں گاڑ دیتی ہیں۔

☐ ہفتم: ان تخصص کے طلباء کی علمی وفقہی استعداد نہیں بن پاتی اور پھر آگے چل کر جب وہ اہم عہدوں اور شرعی مناصب پر خدمات انجام دیتے ہیں تو پھر سستی، کاہلی، کام چوری، اور حد سے زیادہ اعتماد ان میں آجاتا ہے اور وہ ماہرینِ فن اور مستند سائنسدانوں کی سائنسی تحقیقات کو خاطر میں نہیں لاتے کیونکہ ان کا مرجع تو بس مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر ہوتے ہیں۔

☐ ہشتم: یہ تخصص کے طلباء دیگر دارالافتاؤں اور مدارسِ دینیہ میں تدریس وفتویٰ نویسی کی خدمات سے بھی وابستہ ہوں گے۔ اب چونکہ مصنوعی ذہانت سے ہی طلباء مستفید ہوئے تھے، ان کا تخصص کا مقالہ وتحقیق مصنوعی ذہانت ہی کے مرہونِ منت تھا تو لامحالہ یہ مصنوعی ذہانت کو ہی اپنی کل کائنات سمجھتے ہیں اور اپنی تدریس اور اپنے زیرِ نگرانی تخصص کے طلباء کو بھی مصنوعی ذہانت کے فوائد گنواتے نہیں تھکتے۔ الغرض ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے گا جس سے خدانخواستہ امتِ مسلمہ میں اخلاقی، فقہی وعلمی قحط مزید پروان چڑھے گا۔

☐ نہم: جب تخصص کے طلباء کی سنجیدگی اور علمی رُسوخ کا سائنسدانوں کا پتہ چلتا ہے اور باوجود ان سائنسدانوں کے صحیح بات بتانے کے یہ تخصص کے طلباء صحیح سائنسی تحقیق (یعنی حق بات) کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ

مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کے استعمال سے اُن کی علمی وفقہی صلاحیتوں کو زنگ لگ چکا ہوتا ہے اور وہ حد سے زیادہ مصنوعی ذہانت کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتے ہیں تو پھر سائنسدانوں ان سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں اور اس طرزِ عمل سے اصل نقصان امُتِ مسلمہ کا ہی ہوتا ہے۔

□ دہم: ہونا تو یہ چاہیے کہ ایسے تخصص کے طلباء اپنے طرزِ عمل پر شرمندگی کا اظہار کر کے مصنوعی ذہانت کے فتویٰ نویسی میں استعمال سے مکمل اجتناب کریں مگر اکثر یہ مشاہدہ ہوا کہ وہ تاویل کرنے لگ جاتے ہیں۔

□ یازدہم: یہ تخصص کے طلباء مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر کو ہی فنی ماہر اور سائنسدان گردانا شروع کر دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ فتویٰ نویسی وشریعہ ایڈوائزری کا کام مکمل طور پر مصنوعی ذہانت کے سافٹ ویئر پر چھوڑ دیتے ہیں اور اس پر مکمل بھروسہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایسے ایسے فتویٰ جاری ہونا شروع ہو جاتے ہیں جن کو کبھی مفتیانِ کرام نے سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی فتویٰ میں ان امور کو بھی جائز قرار دے سکتا ہے اور پھر یہ منکرات عوام میں رائج ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اب جبکہ بعض تخصص کے طلباء اور بعض نوجوان مفتیانِ کرام مصنوعی ذہانت پر اپنی فقہی تحقیق وفتویٰ نویسی کے لیے مکمل انحصار کرنے لگ گئے تو لامحالہ فنی تحقیقات، ماہرین کی آراء اور مستند عالمی سائنسدانوں سے ان کا تعامل نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ بعض لوگوں کی جانب سے یہ بات کہی جاتی ہے کہ مفتیانِ کرام کو جدید سائنسی مسائل میں خود ماہر ہونا چاہیے اور ایسے حضرات اپنی اس بات کی پُرزور تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں کہ جدید سائنسی مسائل میں ماہرینِ فن سے رجوع نہیں کرنا چاہیے۔ یہ سوچ درست نہیں کیونکہ:

"علمائے کرام اور سائنسدانوں کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے کام کریں اور اپنے فرائضِ منصبی نبھائیں، یعنی جو ذمہ داریاں حضرات علمائے کرام اور مفتیانِ کرام کی ہیں وہ اُن پر کاربند رہیں اور جو سائنسدانوں، محققین، پروفیسر اور انجینئر حضرات کی ذمہ داریاں ہیں، وہ اُن ذمہ داریوں کو پوری تندہی کے ساتھ انجام دیں۔ اسی سے معاشرہ اِفراط وتفریط سے بچے گا اور ترقی کرے گا۔ اگر علمائے کرام اور سائنسدان اپنے اپنے دائرہ کار سے تجاوز کریں گے تو اسی سے معاشرے میں اَبتری پھیلے گی اور خَلطِ مَبحَث پیدا ہوگا" (حوالہ: مبشر حسین رحمانی، علمائے کرام اور سائنسدانوں کی ذمہ داریاں، ماہنامہ دار العلوم، جلد ۱۰۷، شمارہ ۹، ستمبر ۲۰۲۳)۔

جمہور مفتیانِ کرام کے مطابق جدید سائنسی مسائل میں فنی تحقیقات اور ماہرین کی آراء کا اعتبار کیا جائے گا۔ اس بات کی وضاحت بڑی تفصیل کے ساتھ حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی زیرِ نگرانی مکتبہ دار العُلوم کراچی سے حالیہ شائع ہونے والی کتاب "علم فقہ اور سائنس از مولانا فداء اللہ صاحب" میں کی گئی ہے۔ ذیل میں ہم اس کے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں۔

"معلوم ہوا کہ حکم شرعی کی تعیین میں صورت مسئلہ کی تحقیق کی حد تک ماہرین کی رائے از روئے قرآن کریم معتبر ہے" (حوالہ: مولانا فداء اللہ صاحب، علمِ فقہ اور سائنس، صفحہ ۸۰، مکتبہ دار العُلوم کراچی)

"اسی طرح بہت سے حضرات نے صورت مسئلہ کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کے اعتبار کے لیے آیت کریمہ (فَاسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ۔ (النحل: ۴۳) سے بھی استدلال کیا ہے۔ بلکہ بعض حضرات نے یہ تصریح بھی کردی ہے کہ یہاں "اھل الذکر" سے مراد اہل علم ہیں، چاہے کسی بھی ملت سے ہوں، یعنی ان کا مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔" (حوالہ: مولانا فداء اللہ صاحب، علمِ فقہ اور سائنس، صفحہ ۸۰، مکتبہ دار العُلوم کراچی)

"اسی طرح حضرات فقہائے کرام نے متعدد مواقع پر حکم شرعی کی تحقیق میں متعلقہ ماہرین کی رائے کا اعتبار کرتے ہوئے اسی آیت کریمہ سے استدلال فرمایا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک "اہل الذکر" سے مراد اہل فن اور ماہرین ہیں۔" (حوالہ: مولانا فداء اللہ صاحب، علمِ فقہ اور سائنس، صفحہ ۸۰، مکتبہ دار العُلوم کراچی)

"حکم شرعی کی تحقیق میں صورت مسئلہ اور امر واقع کی تحقیق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، اس لیے ملا علی قاری رحمہ اللہ نے حکمِ شرعی کی تحقیق میں ماہرین کی طرف مراجعت کو "اصلِ شرعی" قرار دیا ہے۔"

(حوالہ: مولانا فداء اللہ صاحب، علمِ فقہ اور سائنس، صفحہ ۹۱، مکتبہ دار العُلوم کراچی)

حضرات فقہائے کرام نے صورت مسئلہ کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار کیا ہے اور شئی کی حقیقت و ماہیت کی تحقیق پر غور کرنے کے بعد حکم لگایا ہے۔ اپنی اس بات کی تائید میں مولانا فداء اللہ صاحب نے اپنی کتاب "علمِ فقہ اور سائنس" میں کتب فقہ سے پندرہ مثالیں پیش کی ہیں جہاں پر فقہائے کرام نے ماہرین کی رائے کا اعتبار کیا ہے۔ یہ مثالیں درجِ ذیل ہیں:

۱۔ منافذ کی تحقیق میں اطباء کی رائے کا اعتبار

۲۔ اجزائے مردار کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار (مردار کی ہڈی کی طہارت کا مسئلہ، مردار کے دانتوں کا حکم، مردار کے پٹھوں کا حکم)

۳۔ جواہر اور سنگِ مرمر وغیرہ پر تیمم میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۴۔ تداوی بالمحرم میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۵۔ جوارح معلمہ کے متعلق ماہرین کی رائے کا اعتبار

۶۔ امورِ میاہ میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۷۔ عیوب کی وجہ سے خیار نکاح میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۸۔معاملات میں مقومین کی رائے کا اعتبار

۹۔مبیع میں عیوب کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۱۰۔امراض کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۱۱۔صبی ممیز کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۱۲۔حدود وقصاص میں جراحات کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۱۳۔اجارات کے مسائل میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۱۴۔نر اور مادہ اولاد کے الحاق کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۱۵۔وصیت کے بات میں مرض الموت کے تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

اسی طرح اکابر علمائے دیوبند کے فتاوی میں بھی حکم شرعی کی تعیین میں سائنسی تجربات اور فنی تحقیقات کا اعتبار کیا گیا ہے اور ماہرین فن سے رجوع کیا گیا ہے۔اپنی اس بات کی تائید میں مولانا فداء اللہ صاحب نے اپنی کتاب "علمِ فقہ اور سائنس" میں اکابر علمائے دیوبند کے فتاویٰ سے چھ مثالیں پیش کی ہیں جہاں پر فقہائے کرام نے ماہرین کی رائے کا اعتبار کیا ہے۔یہ مثالیں درج ذیل ہیں:

۱۔ رطوبتِ فرج کی طہارت میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۲۔ دودھ اترنے کی مدت میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۳۔ مکبر الصوت کی ذریعے صحتِ نماز میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۴۔ مردار کے دودھ کی حلت میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۵۔موضعِ احتقان کی تعیین میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

۶۔ ماءِ رمد اور ماءِ زکام وغیرہ کی تحقیق میں ماہرین کی رائے کا اعتبار

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حضرات فقہائے کرام بہت سے مسائل میں فنی مہارتوں کی طرف مراجعت کرتے ہیں، اور ان مسائل کے احکام کی بناء ماہرین کی آراء پر رکھتے ہیں البتہ کچھ مستثنیات بھی ہیں جن کا ذکر مذکورہ کتاب میں کر دیا گیا ہے۔لہذا جو حضرات جدید سائنسی مسائل میں ماہرینِ فن سے ہٹ کر خود ہی فنون کو سیکھ کر یا پھر مصنوعی ذہانت سے مراجعت کر کے، سطحی معلومات کی بنیاد پر اپنے فتویٰ کی بنیاد رکھ رہے ہیں، وہ ماہرینِ فن کے متبادل نہیں ہو سکتے اور مفتیانِ کرام کے مطابق ان کے جاری کیے گئے فتاویٰ بھی درست نہیں کیونکہ اکثر صورتوں میں انہوں نے صورتِ مسئلہ میں شئی کی حقیقت و ماہیت کو غلط سمجھا ہوتا ہے۔

تعلیمی نظام میں معروضی امتحانات کی اہمیت فوائد اور گزارشات

(حصہ اول)

مولانا محمد آصف ملک

امتحانات تعلیمی نظام میں بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ طلباء کی معلومات، طلباء کی مختلف صلاحیتوں کی پہچان، تعلیمی اداروں کے تعلیمی معیار کو جانچنے کا مؤثر ذریعہ ہیں، لہٰذا عموماً جن اداروں کا امتحانی نظام معیاری اور مضبوط ہوتا ہے تو وہاں کا تعلیمی نظام بھی مضبوط ہو جاتا ہے۔ مدارس میں امتحان کے مختلف طریقے رائج ہیں، زیادہ تر مدارس میں تحریری امتحان کا طریقہ رائج ہے، جس میں طلبہ کو سوالوں کے جوابات لکھ کر دینے ہوتے ہیں۔ بعض مدارس میں صرف تقریری امتحان کا نظم ہوتا ہے، جہاں تحریری امتحان کی بجائے صرف زبانی امتحان کے ذریعے طلبہ کی علمی صلاحیتوں کو جانچا جاتا ہے، جس میں طالب علم کو مطلوبہ عبارت پڑھ کر، یا زبانی سوالات کے جوابات دے کر تقریر کے ذریعے اپنی علمی صلاحیت اور قابلیت کا اظہار کرنا ہوتا ہے، اس طریقۂ امتحان کے ذریعے طالب علم کی روانی کو جانچنا، اور فوری طور پر جواب دینے کی صلاحیت کو سامنے لانا ہوتا ہے۔ کچھ مدارس میں تحریری امتحان کے ساتھ تقریری امتحان کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے، تاکہ دونوں طریقوں کے فوائد حاصل کیے جاسکیں۔ پھر تحریری امتحان لینے کی بھی دو صورتیں ہیں: تفصیلی امتحان جسے انشائی، موضوعی اور (Subjective) امتحان بھی کہا جاتا ہے۔ معروضی امتحان جسے (Objective Exam) بھی کہا جاتا ہے۔

تفصیلی امتحان: تفصیلی امتحان یا تفصیلی سوالات وہ سوالات ہیں جن میں طلبہ کرام سے عموماً کسی عبارت کا ترجمہ، تشریح، اختلافی مسائل، الفاظ کی صرفی، لغوی تحقیق یا کسی خاص موضوع پر مقالہ لکھنے کو کہا جاتا ہے، اور تفصیل کے ساتھ جواب مطلوب ہوتا ہے۔ تفصیلی امتحانات کا طریقہ مدارس میں کئی دہائیوں سے جاری ہے، اور تعلیمی نظام کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ امتحانات طالب علم کی تحریری صلاحیتوں کو نکھارنے، کسی بھی موضوع پر عمق سے مطالعہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، مگر چونکہ تفصیلی سوالات کے جوابات دینے میں وقت زیادہ لگتا ہے، بسا اوقات طلبہ کو وقت کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے طلبہ تمام سوالات کے جوابات حل نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے یہ طریقہ ذہین اور قابل طلبہ پر کافی ذہنی دباؤ کا باعث بھی بنتا ہے۔ تفصیلی امتحانات کے جوابات کی جانچ کرنا اساتذہ کرام کے لیے بھی بہت زیادہ محنت طلب کام ہوتا ہے، چونکہ ہر طالب علم کے لکھنے کا انداز اور جواب لکھنے کا طریقہ کار مختلف

ہوتا ہے، اور اگر طلبہ کی تعداد زیادہ ہو، اور پڑتال کنندگان ایک سے زائد ہوں تو طلبہ کے لیے ہر ممتحن کے مزاج ومذاق کے اعتبار سے معیارات الگ بھی ہو سکتے ہیں، جس کا لازمی اثر یہ ہوتا ہے کہ بسا اوقات نمبرات کی درست تقسیم میں خیانت کا خطرہ رہتا ہے۔ چونکہ مدارس کے روایتی امتحانی نظم میں تفصیلی طرز کے طویل سوالات کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے، اور تفصیلی امتحان ایک قدیم عرصے سے مدارس کے تعلیمی نظام کا حصہ ہے، جبکہ اس کی اہمیت وضرورت سے انکار بھی نہیں ہے، کیونکہ بعض مضامین، اور علمی موضوعات اسی تفصیلی امتحانات کے ہی متقاضی ہوتے ہیں۔ بہر حال زیرِ نظر مضمون میں تفصیلی امتحان سے بحث کرنا ہمارا موضوع نہیں ہے، تاہم موجودہ دور میں تعلیمی معیار کو بہتر کرنے کے لیے معروضی سوالات اور معروضی امتحان کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔

معروضی امتحان: لفظ ''معروضی'' کا مطلب ہے کہ پیش کردہ سوالات کے جوابات درست یا غلط ہونے کے لحاظ سے واضح طور پر طے شدہ ہوں، ان میں ذاتی رائے اور تشریح کا عمل دخل نہ ہو۔ اسی وجہ سے اس کو معروضی امتحان کہا جاتا ہے، اور معروضی امتحان سے مراد ایسا امتحان ہے جس میں طلبہ سے ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں جن کے جوابات عام طور پر مختصر ہوتے ہیں۔ ان امتحانات میں صحیح یا غلط (True/False questions)، کثیر الانتخابی سوالات (Multiple Choice Questions)، خالی جگہیں پر کرنا (Fill in the Blanks)، دو کالموں کا ملانا (combining two colummns) جیسے سوالات شامل ہوتے ہیں۔ دینی مدارس میں عمومی طور پر تفصیلی سوالات کے ذریعے امتحان کا رواج معروف ہے، جبکہ معروضی امتحان کے ذریعے امتحان لینے کا رواج نسبتاً کافی کم ہے، حالانکہ دورِ نبوی کے طریقۂ امتحان کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی معروضی امتحان کی جھلک نظر آتی ہے۔ دورِ نبوی میں طریقۂ تعلیم اور معروضی امتحان دورِ نبوی میں رسمی تعلیمی ادارے یا امتحانات کا نظام اگر چہ موجود نہیں تھا، لیکن تعلیم وتربیت کا ایسا جامع نظام موجود تھا جو آج بھی اسلامی تعلیمی نظام کے لیے نمونہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو تعلیم دیتے تھے، طریقۂ تعلیم وعظ ونصیحت کے علاوہ زبانی سوال وجواب کے ذریعے بھی ہوا کرتا تھا، صحابہ کرام سے ان کے فہم کا امتحان لینے، یا کسی بات کو واضح کرنے یا تعلیم دینے کے مقصد سے مختلف مسائل سے زبانی سوالات کرتے تھے، عام طور پر ان سوالات کے جوابات مختصر ہوتے تھے، گویا نبوی دور میں ''معروضی سوالات'' کا تصور اگر چہ اس شکل میں نہیں تھا، جیسا کہ آج کے تعلیمی نظام میں پایا جاتا ہے،، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوالات کرنے کا انداز بہت حد تک معروضی طرز سے مشابہت رکھتا تھا، اس لیے اس طرح کے سوالات کو ایک حد تک معروضی سوال کہا جا سکتا ہے۔ ذیل میں دو مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

(الف): صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”اَخبِرُوْنِي بِشَجَرَةٍ تُشْبِهُ اَوْ: كَالرَّجُلِ الْمُسْلِمِ لَا يَتَحَاتُّ وَرَقُهَا، وَلَا وَلَا وَلَا تُؤْتِي اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ“

”مجھے بتلاؤ وہ کون سا درخت ہے جو مسلمان کے مشابہ ہے؟ جس کے پتے نہیں جھڑتے نہ جاڑوں میں نہ گرمیوں میں، جو اپنا پھل ہر موسم میں لاتا رہتا ہے؟“ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میرے دل میں آیا کہ میں کہہ دوں: وہ درخت کھجور کا ہے، لیکن میں نے دیکھا کہ مجلس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود ہیں، اور وہ خاموش ہیں تو میں بھی خاموش رہا۔ جب کسی نے جواب نہیں دیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ درخت کھجور کا ہے۔ جب یہاں سے اُٹھ کر چلے تو میں نے اپنے والد حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ ذکر کیا، تو آپؓ نے فرمایا: ”پیارے بچے! اگر تم یہ جواب دے دیتے تو مجھے تو تمام چیزوں کے مل جانے سے بھی زیادہ محبوب تھا۔“ (صحیح البخاري، رقم الحدیث: ۴۶۹۸)

(ب): اسی طرح مسند احمد میں ایک اور حدیث ہے کہ حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام کی کون سی کڑی سب سے زیادہ مضبوط ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ: نماز۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اچھی بات ہے، لیکن وہ سب سے مضبوط کڑی نہیں ہے، پھر صحابہ نے جواب دیا: رمضان کے روزے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”یہ بھی اچھی بات ہے، لیکن وہ سب سے مضبوط نہیں ہے۔ پھر صحابہؓ نے فرمایا کہ: جہاد۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی اچھی بات ہے، لیکن وہ سب سے مضبوط نہیں ہے۔ آخر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جواب دیا کہ: ”إِنَّ اَوْثَقَ عُرَى الْإِيْمَانِ أَنْ تُحِبَّ فِي اللّٰهِ، وَتُبْغِضَ فِي اللّٰهِ“ اسلام کی سب سے مضبوط کڑی یہ ہے کہ تم اللہ کے لیے محبت کرو اور اللہ کے لیے دشمنی رکھو۔“ (مسند أحمد: ۱۸۵۲۴)

ان دونوں سوالات سے مقصود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سوچنے کی صلاحیت کو اُبھارنا اور مسائل کو سمجھنے کی تربیت دینا، اور دین کے بارے میں فہم کو مضبوط کرنا تھا، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوالات کرنے کا انداز کسی حد تک معروضی نوعیت کا تھا۔

امتحانات کے مقاصد: امتحانات کے بنیادی چار مقاصد ہیں:

۱- پہلا مقصد: طلبہ کی جانب سے سیکھے گئے علم کا امتحان لینا۔ ۲- دوسرا مقصد: طلبہ کی خوبی وخامی کی نشاندہی۔
۳- تیسرا مقصد: طلبہ کی تعلیمی ترقی کا تعیُّن۔ ۴- چوتھا مقصد: ادارے کے تعلیمی معیار کا اندازہ۔

اب سیکھے گئے علم کا امتحان تین طریقوں سے ہوسکتا ہے:

(الف) قوتِ حافظہ کا امتحان: قوتِ حافظہ کا امتحان کہ فرد کتنی معلومات یاد کرسکتا ہے، اور کتنی دیر تک اس کو برقرار اور محفوظ رکھ سکتا ہے۔ مدارس میں امتحانات کے ذریعے طلباء کی یادداشت اور حافظہ کی صلاحیتوں کا بھی امتحان لیا جاتا ہے، اور مدارس میں حافظہ کا امتحان ایک اہم عنصر ہے، کیونکہ دینی متون کا حفظ، اصول وقواعد اور فقہی مسائل کو اَزبر کرنا دینی مدارس کے طلبہ کی اہم ضرورت ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے مختلف مدارس میں امتحان میں طلبہ کرام سے بعض ایسے سوالات بھی پوچھے جاتے ہیں، جن کا تعلق محض حافظہ سے ہوتا ہے، جس سے طالب علم کی یادداشت سے متعلق صلاحیت واضح ہوجاتی ہے۔

(ب) قوتِ تفہیم کا امتحان: قوتِ تفہیم کے جانچنے سے مقصود طلبہ کی معلومات کو صحیح طور پر سمجھنے کی صلاحیت کا اندازہ لگانا اور اُن کو الفاظ سے آگے بڑھا کر معنی ومفہوم کے سمجھنے کی تحریک دینا ہے کہ طلبہ کرام صرف الفاظ یا متن کو یاد نہ کریں، بلکہ اس کے مفہوم اور معانی کو بھی سمجھیں، اس لیے عموماً امتحانی پرچوں میں کسی موضوع کے متعلق متن دیا جاتا ہے، اور طالب علم سے اس متن میں موجود مسائل ومفاہیم کے متعلق استفسار کیا جاتا ہے۔

(ج) قوتِ غور وفکر: قوتِ غور وفکر کے امتحان سے مقصود طلبہ کی فکری صلاحیتوں کا اندازہ، اور مسائل پر غور وفکر کرنے کی صلاحیت کا جائزہ لینا ہوتا ہے کہ اپنی عقل وفہم کے ذریعے دیے گئے معروضی سوالات کے اختیارات میں سے درست جواب کا انتخاب یا مسائل اخذ کرسکتا ہے یا نہیں؟

تعلیمی نظم میں معروضی امتحان کی اہمیت: تعلیمی نظام میں معروضی امتحان کئی پہلوؤں سے اہمیت کا حامل ہے، یہ امتحانات کم وقت میں بڑی تعداد میں طلبہ کی تعلیمی کیفیت معلوم کرنے کے لیے انتہائی موزوں اور اساتذہ اور طلبہ دونوں کے لیے جانچنے کے اعتبار سے مفید ہے، معروضی سوالات میں نمبر دینا اور فیصلہ کرنا تفصیلی امتحان کی بنسبت آسان ہوتا ہے، غلطی یا جانبداری کا امکان کم ہوتا ہے، نصاب کا احاطہ کرتا ہے، اور طلبہ کی مختلف صلاحیتوں کے جانچنے کا اہم ذریعہ ہے، اس کے علاوہ کئی پہلوؤں سے معروضی امتحان اہمیت کا حامل ہے، جسے فوائد کے ذیل میں تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

معروضی سوالات کے فوائد وثمرات: معروضی سوالات کے کئی فوائد ہیں، کچھ اہم فوائد درج ذیل ہیں:

ا-طلبہ کی مختلف ذہنی صلاحیتوں کا امتحان: معروضی سوالات کے جوابات دینے سے طالب علم کی تینوں صلاحیتوں یعنی قوتِ حافظہ، قوتِ تفہیم، قوتِ تفکیر کا امتحان لیا جاسکتا ہے۔ مختصر سوالات کے جوابات کے ذریعے قوتِ

حافظہ کا امتحان، صحیح، غلط کی نشاندہی کے ذریعے قوتِ تفہیم اور کثیر الانتخابی یا خالی جگہیں پر کرنے کے ذریعے قوتِ غور وفکر کو جانچا جا سکتا ہے۔

۲-نصاب کا مکمل اِحاطہ: معروضی سوالات کے ذریعے نصاب کے مختلف پہلوؤں کو مختصر وقت میں جانچا جا سکتا ہے، ایک ہی پرچہ میں متعدد موضوعات کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ چونکہ تفصیلی امتحان میں پوری کتاب میں سے چند مقامات سے ہی امتحان لینا ممکن ہوتا ہے، جس سے کتاب میں موجود مضامین کا اِحاطہ نہیں ہوتا، اور اِحاطۂ کتاب کی صورت میں امتحانی پرچہ طویل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے، جبکہ معروضی امتحان میں زیادہ سوالات شامل کر کے مختلف موضوعات کا اِحاطہ کیا جا سکتا ہے، جس کی وجہ سے طالب علم پوری کتاب پڑھنے اور شروع سے ہی محنت کرنے پر مجبور ہوگا، کیونکہ مدارسِ اسلامیہ میں معتد بہ تعداد ایسے ذہین طلبہ کرام کی بھی ہوتی ہے جو صرف امتحان کی راتوں میں کتاب کی ورق گردانی کر کے، اور چنیدہ چنیدہ امتحانی مقامات پڑھ کر بآسانی امتحان میں پاس ہو جاتے ہیں، ایسے طلبہ کرام کی سستی کو روکنے کے لیے معروضی سوالات بہترین نسخہ ہے، کیونکہ معروضی سوالات اگر معیاری بنائے جائیں تو پوری کتاب پڑھے بغیر اس کو مکمل حل کرنا مشکل ہوگا۔

۳-وقت کی بچت: معروضی سوالات تیار کرنے میں اگرچہ وقت زیادہ لگتا ہے، لیکن ان کے جوابات حل کرنے میں تفصیلی پرچہ کی بنسبت وقت بہت کم لگتا ہے، جس سے وقت کی بچت ہو جاتی ہے، تفصیلی پرچے کے تین گھنٹہ کا مواد معروضی پرچے میں آدھے گھنٹے میں پوچھا جا سکتا ہے، کیونکہ پرچے میں آدھے سے زیادہ محنت استاذ کر چکا ہوتا ہے، طالب علم کو صرف صحیح جواب کی نشاندہی کرنی ہوتی ہے، جبکہ تفصیلی سوالات حل کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، اس میں زیادہ محنت طالب علم کو کرنی ہوتی ہے، جس کی وجہ سے وقت بھی زیادہ لگتا ہے۔

۴- پڑتال کے عمل میں شفافیت: تفصیلی پرچہ چیک کرنے میں دشواری کے علاوہ اساتذہ کرام کو نمبر دینے میں پریشانی ہوتی ہے، ممتحن اساتذہ کرام کو ہر وقت طلبہ کرام کو نمبر دینے میں کمی یا زیادتی کا خوف لگا رہتا ہے، اساتذۂ کرام کما حقہ نمبر دینے کی کوشش کرتے ہیں، مگر کمی کوتاہی بہر حال ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات طالب علم کو جو مطلوبہ نمبر ملنے ہوتے ہیں وہ نہیں مل پاتے یا استحقاق سے زیادہ بھی مل جاتے ہیں، جس کی وجہ سے طلبہ اپنے پرچوں کی نظر ثانی کراتے ہیں، اور نظر ثانی کے بعد اکثر نمبرات میں تغیر ہو جاتا ہے، جبکہ معروضی امتحانات میں اساتذہ کرام کو مذکورہ دشواری پیش نہیں آتی، چونکہ ہر سوال کا ایک درست جواب ہوتا ہے، طالب علم کے پاس محدود ہی اختیارات ہوتے ہیں۔ اگر جواب درست ہوا تو نمبر مل جائیں گے، اور جواب درست نہیں ہوا تو نمبر نہیں ملیں گے۔

۵-غلطی یا جانبداری کا امکان: معروضی سوالات کی جانچ پڑتال میں انسانی غلطی یا جانب داری کا امکان کم ہوتا

ہے۔ چونکہ جوابات مخصوص اور مختصر ہوتے ہیں، اس لیے نمبر دینے میں غلطی یا جانب داری کا امکان کم ہوتا ہے۔

۶-ماہانہ تعلیمی جائزوں کے لیے موزوں: معروضی سوالات ماہانہ تعلیمی جائزوں کے لیے انتہائی موزوں ہیں، چونکہ اس کے حل کرنے میں وقت کم لگتا ہے، اس لیے اساتذہ کرام اپنے مقررہ گھنٹہ میں بھی ماہانہ امتحان لے سکتے ہیں، کسی دوسرے استاذ سے مزید وقت لینے کی ضرورت نہیں ہوگی، گویا اساتذہ کرام معروضی سوالات کی مدد سے کم وقت میں جلدی اور آسانی سے طلباء کی کارکردگی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

۷-فوری نتائج کا سبب: تفصیلی سوالات کے نتائج کی تیاری میں کافی وقت لگتا ہے، جبکہ معروضی سوالات کا نتیجہ فوری معلوم ہو جاتا ہے، جس سے طالب علموں کو اپنی کمزوریوں کو جلدی سمجھنے اور ان کے ازالے کے لیے وقت مل سکتا ہے۔

۸-کمزور خط والے طلبہ کے لیے مفید: مدارس میں اکثر طلبہ کرام خطاط اور خوش نویس ہوتے ہیں، لیکن بعض طلبہ کرام ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا خط کمزور ہوتا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض اچھی استعداد کے حامل، اور محنتی طلبہ ہوتے ہیں، اور کتاب کے مضامین بھی ان کو یاد ہوتے ہیں، مگر خط کمزور ہونے کی وجہ سے تفصیلی پرچہ کے سوالات کے جوابات میں اظہار مافی الضمیر صحیح طریقے سے نہیں کر پاتے، جس کی وجہ سے باوجود یاد ہونے کے وہ اچھے نمبرات حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے، معروضی طرز کا امتحان ایسے طلبہ کرام کے لیے مفید ثابت ہوگا۔

۹-رَٹا لگانے کی عادت کی حوصلہ شکنی: معروضی سوالات طلبہ کرام میں موجود رَٹے لگانے کی عادت کو کم کردے گا، کیونکہ معروضی سوالات ایسے طریقے سے بنائے جاتے ہیں، اس میں طلبہ کرام کو محض رَٹا لگانے کے بجائے سمجھ بوجھ کی صلاحیت کو استعمال کرنا پڑتا ہے، اس سے رَٹے لگانے کی حوصلہ شکنی ہو جائے گی، اس سے طلبہ کرام کو کتاب یاد کرنے کے بجائے سمجھنے کا رجحان بڑھے گا۔

۱۰-وسائل کی بچت: معروضی امتحان وقت اور وسائل دونوں کی بچت کا ذریعہ ہے، تفصیلی امتحان میں اساتذۂ کرام کے لیے طویل وقت کے لیے مسلسل نگرانی کرنا مشکل ہو جاتا ہے، اور تفصیلی امتحان میں کاغذ بھی زیادہ استعمال ہوتا ہے، سوال کے لیے الگ کاغذ، جوابات کے لیے الگ جوابی کاپی دینی پڑتی ہے، اور طلبہ کرام پھر غیر ضروری ابحاث ذکر کر کے مزید کاغذ استعمال کرتے ہیں، جبکہ معروضی امتحان میں نہ غیر ضروری اَبحاث کو ذکر کیا جا سکتا ہے، اور نہ ہی کاغذ کا بے جا استعمال ہوتا ہے۔

۱۱-ادارے کے تعلیمی معیار میں ترقی کا ذریعہ: تفصیلی سوالات اور معروضی سوالات کے امتزاج سے کسی بھی ادارے کے تعلیمی معیار کو بہتر بنایا جا سکتا ہے، اور دونوں کی مدد سے تعلیمی معیار کو ترقی مل سکتی ہے، صرف معروضی امتحان لینا اور تفصیلی امتحان سے اِعراض کرنا، یا تفصیلی امتحان لینا اور معروضی سے اِعراض کرنے سے تعلیمی نظام معیاری اور

مضبوط نہیں ہوسکتا، لہٰذا تفصیلی اور معروضی امتحان کا امتزاج ادارے کی ترقی کا سبب ہے۔

۱۲-علم کی وسعت و گہرائی: معروضی امتحان طلبہ کو مطالعہ میں گہرائی اور کتب کے اہم نکات کو یاد کرنے پر مجبور کرتا ہے، طلبہ کو مطالعہ کے دوران مختلف موضوعات اور کتابوں کو چھوٹی چھوٹی جزئیات کو یاد کرنے میں بھی توجہ مرکوز رکھنی پڑتی ہے، جس سے ان کی علمی گرفت مزید مضبوط، مطالعہ میں گہرائی، اور علم میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

۱۳-اساتذہ کی تقرری میں آسانی: معروضی سوالات مدارس میں اساتذۂ کرام کی تقرری کے حوالے سے بھی مفید ہیں، مختلف مدارس میں مدرسین کی ضرورت ہوتی ہے، اور ایک نشست کے لیے ذمہ دار حضرات کو کئی کئی درخواستیں موصول ہو جاتی ہیں، اگر ان سب حضرات کا انٹرویو لیا جائے اور پھر ان میں سے کسی کا انتخاب کیا جائے تو یہ ایک مشکل اور دقت طلب کام ہے، لہٰذا معروضی امتحان کے ذریعے کم وقت میں باصلاحیت افراد کے انتخاب کا عمل آسان ہو جائے گا۔

معروضی سوالات کی صورتیں: معروضی سوالات کی کئی قسمیں اور صورتیں ہو سکتی ہیں، ذیل میں مشہور اقسام میں سے ہر ایک کی تعریف اور ہر قسم کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر پیش کی جا رہی ہیں:

پہلی صورت: مختصر سوالات (Short Answer Questions)

مختصر سوالات سے مراد ایسے سوالات ہیں جن کا جواب، ایک لفظ میں ہو، یا تفصیلی جواب کی بنسبت مختصر ہو۔ ان سوالات میں زیادہ وضاحت یا تفصیل کی ضرورت نہیں ہوتی، اور اس قسم کے سوالات سے مقصود طالب علم کی یادداشت اور بنیادی معلومات کا امتحان ہوتا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں دی جاتی ہیں:

مثال نمبر۱: کلمہ کی تعریف: صاحبِ ہدایۃ النحو نے ذکر کی ہے: ''الكلمة لفظٌ وُضع لمعنى مفرد۔'' اب کلمہ کی تعریف کو مختلف طریقوں سے پوچھا جا سکتا ہے، جن میں سے دو درج ذیل ہیں:

۱-تفصیلی سوال کرنے کا طریقہ ۲-مختصر سوال کرنے کا طریقہ

رائج تفصیلی سوال کا طریقہ یہ ہے: سوال: کلمہ کی تعریف مع فوائدِ احترازیہ بیان کریں۔ اس سوال سے مقصود یہ ہے کہ طلبہ پہلے کلمہ کی تعریف کریں، اور اس کے بعد اس تعریف میں سے فوائدِ قیود کی تعیین کر کے احترازی فوائد تفصیل سے بیان کریں۔ اور دوسرا طریقہ مختصر سوال کرنے کا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

۱-کلمہ کی تعریف کریں۔

۲-کلمہ کی تعریف میں ''لفظ'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

۳-کلمہ کی تعریف میں لفظ ''وُضع'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

۴-کلمہ کی تعریف میں لفظ ''لمعنی'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

۵-کلمہ کی تعریف میں لفظ ''مفرد'' کی قید سے کس سے احتراز کیا؟

مثال نمبر ۲: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب تفصیلی طریقہ سے پوچھا جائے تو سوال یوں ہوگا: اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب مع شرائط، امثلہ سے واضح کریں۔ اور اگر اسی سوال کو مختصر طریقے سے پوچھا جائے تو سوال درج ذیل انداز میں ہوگا:

۱-اسمائے ستہ مکبرہ کا اعراب بیان کریں۔

۲-اسمائے ستہ مکبر نہ ہوں، بلکہ مصغر ہوں تو ان کا اعراب کیا ہوگا؟ مثال بیان کریں۔

۳-اسمائے ستہ اگر موحدہ نہ ہوں، بلکہ تثنیہ یا جمع ہوں تو پھر ان کا کیا اعراب ہوگا؟ مثال بیان کریں۔

۴-اسمائے ستہ مکبرہ مقطوع عن الاضافہ ہوں تو اس صورت میں کیا اعراب ہوگا؟ مثال سے وضاحت کریں۔

۵-اسمائے ستہ مکبرہ اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہوں تو پھر اس صورت میں ان کا کیا اعراب ہوگا؟ مثال بیان کریں۔

مثال نمبر ۳: فعل کو مذکر ومؤنث لانے کے قواعد کے متعلق سوال کرنا ہو تو تفصیلی طریقہ یہ ہوگا کہ فعل کو مذکر مؤنث لانے کے قواعد مع امثلہ بیان کریں، لیکن اگر اسی سوال کو مختصر سوالات کی صورت میں پوچھا جائے تو سوالات درج ذیل ہوں گے:

۱-فاعل مؤنثِ حقیقی اسم ظاہر ہو اور فعل وفاعل کے درمیان فاصلہ نہ ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟

۲-فاعل مؤنث حقیقی اسم ظاہر ہو اور فعل وفاعل کے درمیان فاصلہ ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟

۳-فاعل مؤنث غیر حقیقی اسم ظاہر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

۴-فاعل مؤنث غیر حقیقی اسم ضمیر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

۵-فاعل جمع مذکر مکسر ہو اور اسم ظاہر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

۶-فاعل جمع مذکر مکسر کی ضمیر ہو تو فعل کو کس طرح لایا جائے گا؟ مثال بیان کریں۔

اسی طرح مختصر سوالات کے بعض جوابات یک لفظی ہوتے ہیں، مثالیں ذیل میں پیش کی جارہی ہیں:

۱-''قام ھٰؤلاء'' میں ھٰؤلاء معرب ہے یا مبنی؟ جواب: مبنی۔ ۲-اسماء متمکنہ کل کتنے ہیں؟ جواب: چودہ۔

۳-رفع کی کتنی علامات ہیں؟ جواب: پانچ۔ ۴-فعل کے لیے کس چیز کا ہونا ضروری ہے؟ جواب: فاعل۔ **(باقی)**

دینی مدارس سرکاری امداد کی پیشکش کیوں نہیں قبول کرتے؟ تین وجوہات

حضرت مولانا زاہد الراشدی

جامعہ ریاض العلوم کے سالانہ جلسۂ تقسیم اسناد میں مدارس کے حوالے سے گفتگو ہوئی اور میں نے اپنی گزارشات تین سوالات کے پس منظر میں پیش کیں۔ ان مدارس میں دی جانے والی تعلیم کا ہماری معاشرتی زندگی اور ہمارے مستقبل سے کیا تعلق ہے؟ لاکھوں بچوں کو معنیٰ ومفہوم کے بغیر حفظ قرآن کریم کروا کے طوطے کی طرح جو الفاظ رٹائے جاتے ہیں، اس کا فائدہ کیا ہے؟ جب حکومت مدارس کا نظم ونسق سنبھالنے اور ان کے اخراجات سرکاری خزانے سے مہیا کرنے کے لیے تیار ہے تو دینی مدارس اس پیشکش کو قبول کیوں نہیں کرتے؟ اور اخراجات کی ذمہ داری سے آزاد ہو کر چندے کی جھنجھٹ سے نجات کیوں حاصل نہیں کرتے؟ ان سوالات کا بحمد اللہ تعالیٰ تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا اور آخری سوال پر جو معروضات پیش کیں ان کا خلاصہ قارئین کی نذر کیا جا رہا ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ دینی مدارس اپنے اخراجات عوامی چندے اور اصحابِ خیر کے رضا کارانہ تعاون کے ذریعے پورے کرتے ہیں اور کسی سرکاری امداد کو قبول کرنے سے مسلسل گریزاں ہیں، اس کے بنیادی طور پر تین اسباب ہیں جن کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:

پہلا سبب یہ ہے کہ دینی مدارس کے موجودہ نظام کے آغاز ہی پر سب سے پہلے قائم ہونے والے دینی مدرسہ دار العلوم دیوبند کے بنیادی اصول میں بانیٔ دار العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس بات کی ہدایت کر دی تھی کہ مدرسہ کا نظام عام لوگوں کے چندے اور تعاون کے ذریعے چلایا جائے اور کسی حکومت یا ریاست کی طرف سے مستقل امداد قبول نہ کی جائے۔ یہ بات دار العلوم دیوبند کے اصول ہشت گانہ میں درج ہے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد قائم ہونے والے دینی مدارس کے آزادانہ نظام کے لیے راہنما اصول کا درجہ رکھتی ہے۔ چند سال قبل ایک اور مسلک سے تعلق رکھنے والے ایک بڑے دینی مدرسہ کے مہتمم صاحب نے جو میرے ذاتی دوستوں میں سے ہیں، مجھ سے کہا کہ ہمارے مدارس تو زیادہ تر خلیج کے شیوخ کے تعاون سے چلتے ہیں اور اب باہر سے رقوم کی آمد میں رکاوٹیں شروع ہو گئی ہیں جس سے بہت مشکلات پیدا ہو رہی ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کے مدارس کی کیا صورتحال ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ہمیں ایک بزرگ کی نصیحت اور تلقین فائدہ دے رہی ہے اور ہمارے ہاں

اس قسم کی مشکلات اتنی زیادہ نہیں ہیں، انہوں نے تفصیل پوچھی تو میں نے اصول ہشتگانہ میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مذکورہ بالا ارشاد کا حوالہ دیا، انہوں نے فرمایا کہ ہاں وہ واقعی صاحبِ فراست بزرگ تھے۔

سرکاری امداد قبول نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمیں اس امداد کا پس منظر معلوم ہے کہ یہ کس طرف سے آرہی ہے اور کیوں آرہی ہے؟ ہمارے اپنے حکمرانوں کو تو اپنے تعلیمی بجٹ میں کبھی دینی تعلیم کا خیال تک نہیں آیا، ان کے ذریعے عالمی استعمار دینی مدارس میں رقوم تقسیم کر کے اپنی مداخلت کی راہ ہموار کرنا چاہتا ہے اور ہم اس چال کو بحمد اللہ تعالیٰ اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ ہم استعمار کو جانتے ہیں اور استعمار ہمیں جانتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم یہ امداد کیوں قبول نہیں کر رہے اور ہم بھی جانتے ہیں کہ وہ یہ رقوم ہمارے حکمرانوں کے ذریعے دینی مدارس میں کیوں تقسیم کرنا چاہتا ہے؟ ہمارا ایک دوسرے سے گزشتہ ڈیڑھ صدی سے مسلسل واسطہ ہے۔ دینی مدارس نے ہمیشہ عوامی چندوں پر اور صدقہ و زکوٰۃ پر اپنا نظام چلایا ہے۔ ہمیں کسی صحیح امداد کو قبول کرنے سے انکار نہیں ہے، ہمیں بھی ہر وقت پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہم عوام کے دروازوں پر شوق سے نہیں جاتے، لیکن جس امداد کا مقصد ہمیں ہمارے دینی کردار سے محروم کرنا ہو ہم اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتے، ہم سمجھتے ہیں کہ دینی مدارس کی بقا اور ان کے موجودہ دینی و تعلیمی کردار کا تحفظ اسی میں ہے کہ وہ انتظامی اور مالی دونوں حوالوں سے آزاد رہیں اور کسی قسم کی سرکاری امداد یا مداخلت کو قبول نہ کریں۔

دینی مدارس کو سرکاری تحویل میں دینے اور ان کے اخراجات کے لیے سرکاری رقوم قبول کرنے سے ہمارے انکار کی تیسری وجہ یہ ہے کہ ہم اس تجربے سے ایک بار پہلے گزر چکے ہیں اور دوبارہ اس دام فریب کا شکار نہیں ہونا چاہتے۔ سابق صدر محمد ایوب خان مرحوم کے دور میں جب محکمہ اوقاف قائم ہوا اور آمدنی والی ہزاروں مساجد محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لیں تو ان کے ساتھ بیسیوں دینی مدارس بھی محکمہ اوقاف کے کنٹرول میں چلے گئے، جن کے بارے میں کہا گیا کہ ان کا انتظام علماء کرام سے بہتر چلایا جائے گا۔ اگر کوئی صاحب ہمت دوست ان مدارس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہیں اور اس کے لیے تحقیق کر رہے ہوں تو بہت سے ہوشربا انکشافات سامنے آسکتے ہیں۔ میں مثال کے طور پر صرف دو مدرسوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ اوکاڑہ کے گول چوک کی جامع مسجد میں جامعہ عثمانیہ کے نام سے ایک بڑا مدرسہ محکمہ اوقاف نے اپنی تحویل میں لیا تھا جس کی موجودہ صورتحال یہ ہے کہ اس کے کمرے کرائے پر چڑھے ہوئے ہیں اور جامعہ عثمانیہ تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو چکا ہے۔ اسی طرح نیلا گنبد لاہور کی مسجد میں قائم مدرسہ رحیمیہ کی حالت زار دیکھ لی جائے کہ محکمہ اوقاف سے پہلے اس کی صورتحال کیا تھی اور اب وہ کس پوزیشن میں ہے۔ (باقی صفحہ نمبر ۲۴)

دین اور دینی مدارس کے مخالفین سے اعلان جنگ

نوید مسعود ہاشمی

یہ بات سالہا سال سے حکمران اور سیاست دان دُہراتے چلے آرہے ہیں کہ قوم کے ڈھائی کروڑ بچے اس لیے تعلیم سے محروم ہیں کیونکہ ان کے والدین نجی حتیٰ کہ سرکاری سکولوں میں بھی کتابوں کا پیوں اور دوسرے اخراجات اٹھانے کی سکت نہیں رکھتے۔اس تعلیمی زبوں حالی کو دیکھ کرسوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو حکمران قوم کے ڈھائی کروڑ بچوں کو تعلیم دینے سے قاصر ہیں انہیں یہ حق کس نے دیا کہ وہ 30 لاکھ سے زائد طلباء و طالبات کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے والے اور دوران تعلیم ان طلباء و طالبات کی مکمل کفالت کرنے والے دینی مدارس کے پیچھے لٹھ اٹھائے پھریں؟ کیا 30 لاکھ کے لگ بھگ قوم کے بچوں اور بچیوں کو زیور تعلیم سے آراستہ و پیراستہ کر کے ملک کا معزز اور مفید شہری بنانے سے بڑھ کر بھی کوئی اور خدمت ہوسکتی ہے؟

شور برپا ہے کہ مدارس کے نصاب تعلیم کو ''جدید'' بنایا جائے، یہاں انگلش کمپیوٹر سائنس اور دیگر مضامین بھی پڑھائے جائیں حالانکہ یہ سارے مضامین بھی مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں،لیکن اگر نہ بھی پڑھائے جاتے ہوں تو میرا ''امریکی پٹاری کے سیکولر شدت پسندوں'' سے سوال ہے کہ جن اسکولوں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انگلش سائنس،کمپیوٹر اور دیگر مضامین پڑھائے جاتے ہیں،جن تعلیمی اداروں میں آکسفورڈ کا جدید نظام تعلیم رائج ہے، بتایا جائے کہ ان تعلیمی اداروں سے جدید نصاب تعلیم پڑھنے والوں نے اس ملک اور قوم کو کرپشن چور، بازاری رشوت خوری، مہنگائی، بے حیائی، فحاشی، ذخیرہ اندوزی،قومی خزانے کی لوٹ مار کے سوا اور کیا دیا؟

جامعہ خیر المدارس ملتان میں خدمات دینی مدارس کانفرنس سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ شیخ الحدیث مولانا قاری حنیف جالندھری نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

''وفاق المدارس عالم اسلام میں دینی تعلیم کا سب سے بڑا اور منظم نیٹ ورک ہے،جس میں تقریباً 27 ہزار مدارس اور جامعات شامل ہیں، ان مدارس اور جامعات میں 30 لاکھ طلباء و طالبات زیر تعلیم ہیں۔دینی مدارس دین کے چوکیدار اور پہریدار ہیں، اور کوئی پاکستان کے مفاد کا ٹھیکیدار بننے کی کوشش نہ کرے،ہم ان کی اولاد ہیں جنہوں نے پاکستان بنایا، انہوں نے کہا کہ میرے دادا حضرت مولانا خیر محمد جالندھری تحریک پاکستان کے لوگوں میں سے تھے، قرارداد مقاصد جن علماء نے مرتب کی اس میں میرے گرینڈ فادر شامل تھے، سب سے پہلے پاکستان کا جھنڈا شیخ

الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی نے کراچی میں لہرایا تھا،اور ڈھاکہ میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی نے لہرایا تھا،ہم دینی، علمی پاکستان کا چہرہ ہیں، پاکستان کے مفادات ہمیں عزیز ہیں، پاکستان کی سلامتی اور استحکام ہمیں عزیز ہے، دینی مدارس اور علماء، اسلام کے چوکیدار ہیں یہ قران وسنت کے پہرے دار ہیں، یہ اسلامی تہذیب وتمدن کے پہریدار ہیں، یہ نظریہ پاکستان اور آئین پاکستان کے پہرے دار ہیں اور یہ دین کے پہریدار ہیں اور وفاق المدارس ان سب پہریداروں کا پہریدار ہے، پہریدار اور چوکیداروں کی چوروں اور ڈاکوؤں سے جنگ رہتی ہے،تو ہماری بھی دین کے ڈاکوؤں سے ایمان کے ڈاکوؤں سے دینی علوم کے مراکز ومدارس کے ڈاکوؤں اور چوروں سے جنگ رہے گی اور جنگ رہے گی، اور انشاءاللہ ہم اس جنگ کو جیتیں گے۔''

جاننے والے جانتے ہیں کہ شیخ الحدیث مولانا محمد حنیف جالندھری نے دینی مدارس اور دین ایمان کے ڈاکوؤں سے جو اعلان جنگ کیا ہے یہ کوئی اچانک نہیں، بلکہ اس کے پیچھے امریکہ کے غلام حکمرانوں کی دینی مدارس کے خلاف تقریبا چوبیس پچیس سالہ زیادتیوں کی پوری اک تاریخ موجود ہے اور دکھ یہ ہے کہ وہ زیادتیاں آج تک جاری ہیں، تبدیلی کا نعرہ تو بڑی شدت سے لگایا جاتا ہے مگر دینی مدارس کے لئے کچھ بھی تبدیل نہیں ہوا، پرویز مشرف دور سے لے کر نواز شریف عمران خان اور اب نومبر 2025ء میں شہباز شریف دور تک، دینی مدارس کے لیے کچھ تبدیل نہیں ہوا، شہباز حکومت بھی پرویزی روش پر قائم ہے، دینی مدارس کو کبھی رجسٹریشن کے نام پر، کبھی غیر ملکی طلبہ کے نام پر، کبھی نصاب تعلیم کے نام پر تنگ کیا جاتا ہے، حالانکہ وفاق المدارس ہو یا اتحاد تنظیمات مدارس کے اکابرین، سب نے ہمیشہ دینی مدارس کی طرف سے ہر حکومت سے مکمل تعاون کرنے کی کوشش کی۔

مولانا محمد حنیف جالندھری کہتے ہیں اور بالکل درست کہتے ہیں کہ دینی مدارس کے لاکھوں طلبہ، علماء ہوں، شیوخ یا اساتذہ، انہوں نے وطن عزیز کی ترقی میں بہتری اور ملک میں قیام امن کی خاطر ہمیشہ مثبت کردار ادا کرنے کی کوشش کی، مولانا جالندھری کی یہ ساری باتیں درست ہیں، وفاق المدارس کے سربراہ شیخ الاسلام مولانا مفتی تقی عثمانی ہوں، قائد جمعیت مولانا فضل الرحمن ہوں، اتحاد تنظیمات کے مفتی منیب الرحمن ہوں یا دیگر اکابرین اور مشائخ، وہ گزشتہ پچیس سالوں سے دہائیاں دے رہے ہیں کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں، دینی مدارس بے حیائی کے مقابلے میں غیرت وحیاء کا پیغام ہیں، رشوت، چور بازاری، کرپشن اور لوٹ مار کے خلاف دینی مدارس، امانت ودیانت، ایثار وقناعت پسندی کی فکر کو عام کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ 78 سالوں میں آج تک دینی مدارس سے مکمل تعلیم حاصل کرنے والا کوئی عالم مفتی، شیخ الحدیث خواہ وہ سیاست کے میدان میں ہی کیوں نہ ہو، بنکوں سے قرضے لے کر ہڑپ کرنے کا داغ ہو، قومی خزانے کو لوٹنے کا داغ ہو یا کرپشن اور ملک کو نقصان پہنچانے کے دیگر داغ ان

سارے داغوں سے ان کے دامن پاک ہیں، بجائے اس کے کہ اس بے مثال کردار پر دینی مدارس کی حکومت حوصلہ افزائی کرے، انہیں ریلیف فراہم کرے، دینی مدارس کے قائدین کی مسلمہ تعلیمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں ایوارڈز اوراعزازات سے نوازے، الٹا حکمران اور سیکولر پٹاری کے دانش فروش، دینی مدارس کے اس عظیم مثبت کردار کو مٹانے پر تلے رہتے ہیں تو کیوں؟؟۔

سابق حکومتوں کے وزیر، مشیر ہوں یا موجودہ حکومتی وزیر مشیر اس خاکسار کی دینی مدارس کے حوالے سے بہت سوں سے گفتگو ہوتی رہی، دلچسپ بات یہ کہ ان میں سے کوئی ایک بھی، دینی مدارس کے خلاف سیکولر شدت پسندوں کی چارج شیٹ ہو یا حکمرانوں کی چارج شیٹ دلائل کے ساتھ درست ثابت نہیں کرسکا، بلکہ بعض وزرا اور دانشوروں سے گفتگو کر کے یوں محسوس ہوا کہ جیسے انہیں دینی مدارس اور مولویوں سے خدا واسطے کا بیر ہو؟ ایک دانشور تو ایسے بھی تھے کہ جنہوں نے اپنے سرخ ڈیلے گھماتے ہوئے کہا تھا، ہاشمی صاحب! ان مولویوں نے اذانیں دے دے کر ہماری نیندیں حرام کررکھی ہیں، ہم بمشکل رات دو بجے تک سوتے مرتے ہیں یہ صبح 5 بجے اذانیں دینا شروع کر دیتے ہیں۔ ملحدین اور سیکولر شدت پسندوں کا دینی مدارس کے خلاف اس مائینڈ سیٹ کا اندازہ لگایئے کہ انہیں مساجد میں ہونے والی پانچ وقت کی اذانوں پر بھی اعتراض ہے۔

سیدھی سی بات ہے حکومت ہو یا سیکولر شدت پسند؛ دینی مدارس کے خلاف یہ سہولت کار بنتے ہیں آئی ایم ایف اور ایف اے ٹی ایف کے، گوروں کے دسترخوان کے راتب خور دینی مدارس کے خلاف غیر ملکی آقاں کے تفویض کردہ ایجنڈے کی تکمیل چاہتے ہیں، یہاں ایسے ایسے مشکوک دماغ نابغے بھی رہتے ہیں کہ جو دن رات دینی مدارس سے یہ مطالبے کرتے ہوئے نہیں تھکتے کہ دینی مدارس کو ڈاکٹر اور انجینئر تیار کرنے چاہئیں۔ ان ارسطوؤں سے کوئی پوچھے، کہ کیا تم نے کبھی کسی سکول کالج یا یونیورسٹی سے یہ مطالبہ کیا ہے کہ وہ قرآن کے حافظ، قاری دین کے عالم مفتی اور شیخ الحدیث تیار کریں؟ کیا فٹ بال ٹیم سے ہاکی کا میچ جیتنے کا مطالبہ درست ہوگا؟ کیا فٹ بال ٹیم سے کرکٹ کا میچ جیتنے کی توقع رکھنا بیوقوفی اور جہالت نہیں کہلائے گا؟ دینی مدارس کا کام علماء حفاظ، قرا مفتیان اور دینی اسکالرز تیار کرنا ہے، دینی مدارس اور خانقاہوں میں تقویٰ طہارت پاکیزگی امانت ودیانت شرافت ومتانت اور حب الوطنی کی تعلیم و تربیت کی جاتی ہے، کوئی ہے سیکولر کہ جو انگلش ریاضی بیالوجی کیمسٹری اور کمپیوٹر کے طلباء کو مفت پڑھانے کے لیے تیار ہو؟ کوئی ایک بھی نہیں، بلکہ یہاں تو انگلش تعلیمی اداروں نے لوٹ مار کی سیل لگا رکھی ہے، انگلش تعلیم کے نام پر معصوم طلباء طالبات کے والدین کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا جارہا ہے۔ انگلش نظام تعلیم کی اس لوٹ مار کا راستہ روکنے کے لئے عدالتوں کو فیسوں میں کمی کے فیصلے جاری کرنا پڑتے ہیں۔

مدارس کی خدمات اور ریاست کا دباؤ

جناب اشفاق اللہ خان ابن ڈاگئی باباجیؒ

دین اسلام اللہ رب العزت کی طرف سے اپنے محبوب خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ابدی اور آفاقی اللہ کا محبوب دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اسلامی تعلیمات میں روحِ انسانیت کی دنیاوی اور اخروی تمام تشنگیوں کا مداوا اور مشکلات کا حل موجود ہے۔ مگر اسلامی تعلیمات کو کیسے حاصل کیا جائے؟ اس مشکل کا حل محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم اسلام کا پہلا مدرسہ ''صُفہ'' قائم کر کے قیامت تک آنے والے مسلمانوں کو بتا دیا ہے، دینِ اسلام کی بقا، اشاعت، تعلیمات قرآن وسنت کی روشنی میں دنیا وآخرت کو سنوارنے کے لئے صُفہ کی طرح دینی درسگاہیں قائم کرنا سنت نبوی ہے۔ مدارس کا بنیادی مقصد انسانوں کو تعلیماتِ اسلام سے روشناس کرانا اور علم کی شمع روشن کر کے جہالت کا خاتمہ ہے۔

اس خطے میں اسلام عرب سے آنے والے تاجروں کے ذریعے آیا، اسے پاک و ہند کے گوشے گوشے تک پھیلانے کا فریضہ اولیاء اللہ اور علماء کرام نے ادا کیا۔ شکر الحمد للہ قرآن وسنت کی ترویج و اشاعت کی ذمہ داری و فریضہ علماء کرام کے قائم کردہ مدارس لمحہ موجود تک انجام دے رہے ہیں۔ برصغیر میں انگریز کے آنے سے قبل تعلیم و تربیت کا واحد ذریعہ دینی مدارس تھے، برطانوی سامراج نے اسے کمزور کرنے کے لئے اپنا آزمودہ حربہ ''تقسیم کرو اور حکومت کرو'' کے فلسفے پر دینی و دنیاوی تعلیم کو الگ کر کے مسلمانوں کو دیندار (بنیاد پرست) اور دین بیزار (لبرلز) میں تقسیم کا دووازہ کھول دیا۔ مدارس دینیہ کے مدمقابل عصری علوم کے اداروں کو لاکر کھڑا کیا۔ مگر اکابرین امت نے نامساعد حالات میں مدارس اور مدارس کے نظام کو کمزور نہ ہونے دیا۔

ریاست مدینہ کے بعد دوسری ریاست پاکستان، ''پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کے نصب العین پر معرض وجود میں آیا تو بے سروسامانی کے عالم میں ایک طرف ریاستی نظم چلانے کا چیلنج تو دوسری طرف لاکھوں مہاجرین کی آبادکاری اور کفالت کا مسئلہ درپیش تھا۔ مشکل کی اس گھڑی میں اکابرین امت نے دینی مدارس کے قیام کا بیڑہ اٹھایا اور اللہ نے انہیں سرخرو کیا۔ آج یہی مدارس تشنگان علوم نبوی کو علم کی دولت کے ساتھ اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ کے ساتھ ان کی کردار سازی میں مصروف ہیں۔

عصری علوم حاصل کرنے کے لئے پاکستانی طلباء مغربی یونیورسٹیوں کا رخ کرتے ہیں لیکن علوم قرآن وحدیث کا فیض حاصل کرنے کے لئے دنیا بھر سے طلباء پاکستانی مدارس میں آرہے ہیں، پوری امت کا پاکستان کے مدارس کی خدمات کا اعتراف ہمارے لئے اعزاز کی بات ہے پاکستان کے طول وعرض میں پھیلے لاکھوں مدارس کی برکت سے آج قرآن وحدیث اور علوم شریعہ اصل اور مکمل شکل میں باقی اور محفوظ ہے۔

ان مدارس نے معاشرے کو لاکھوں حفاظ اور علوم اسلامی کے ماہر علماء وشیوخ، آئمہ وخطباء دیے ہیں، جو پاکستان ہی نہیں دنیا کے کونے کونے کو اسلام کی روشنی سے منور کر رہے ہیں۔ بلوچستان، پختونخوا، پنجاب، سندھ، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے دور افتادہ و پسماندہ علاقوں میں جہاں عصری علوم کا کوئی ریاستی ادارہ موجود نہیں وہاں مدارس موجود ہیں جوان علاقوں کے غریب بچوں کو مفت تعلیم، جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں سے نکال کر ان کے قلوب و اذہان کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے علاوہ پاکستان میں شرح خواندگی کو بڑھانے اور فروغ تعلیم کے لئے ان مدارس کا کردار قابل تحسین اور قابل تقلید ہے۔

پوری ملت پر مدارس کا احسان ہے کہ خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرانے والے لاکھوں بچوں کو سینے سے لگا کر تعلیم دے رہے ہیں، حالانکہ یہ ذمہ داری ریاست کی تھی۔ ریاستی دورنگی نے عصری تعلیمی اداروں کو منافع بخش کاروبار بنایا، عصری علوم کے اداروں کے مالکان کے ہاتھ والدین کی جیبوں اور پاؤں گردن پر ہوتے ہیں جب کہ مدارس نے دینی تعلیم کو کاروبار نہیں اپنا فریضہ سمجھ کر رضائے الٰہی کا ذریعہ بنایا۔ اپنی مدد آپ کے تحت چلنے والے ان مدارس میں تعلیم ہی نہیں، رہائش، کھانا، کپڑے، کتابیں، طبی سہولیات مفت اور وظائف بھی دیئے جاتے ہیں۔ مدارس کا نصاب قومی وحدت واخوت کا مظہر مگر عصری علوم کے ریاستی نظام تعلیم طبقاتی اور قومی وحدت کے لئے زہر قاتل ہیں، ایک ہی شہر اور علاقے میں موجود سرکاری ونجی تعلیمی اداروں میں رنگ برنگے نصاب پڑھائے جارہے ہیں، کہیں آکسفورڈ، کہیں کیمبرج تو کہیں کوئی اور نصاب جو معاشرے میں تقسیم کا سبب بن رہے ہیں۔

نام نہاد روشن خیال خلاف واقعہ اور بلاتحقیق یہ الزام لگاتے ہیں کہ علماء خواتین کی تعلیم کے خلاف ہیں، جب کہ پاکستان میں دینی مدارس کے سب سے بڑے وفاق، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ طلباء سے زیادہ طالبات کے مدارس الحاق شدہ ہیں، جس میں طلباء سے زیادہ طالبات زیر تعلیم ہیں۔ یہ مدارس پاکستان ہی نہیں عالم اسلام کے لئے بھی نعمت کبریٰ سے کم نہیں، حکومت کو ان مدارس کا ہمیشہ احسان مند رہنا چاہئے، انہیں سہولیات دینی چاہئے لیکن افسوس کہ ہر دور حکومت میں مدارس کے راستے میں رخنے ڈالے گئے۔ کبھی مدارس کو دہشت گردی کے اڈے تو کبھی جہالت کی فیکٹریاں کہا گیا، کبھی مدارس کے نظام پر قدغنیں، کبھی نصاب پر اعتراض، کبھی مدارس میں

پڑھانے والوں کی داڑھی ٹوپی اور پگڑی کا مذاق اڑایا گیا۔ اللہ رب العزت کی شان کہ رخنے ڈالنے والوں کا آج نام ونشان باقی نہیں اور مدارس آج بھی قائم اور انشاء اللہ تا قیامت قائم ودائم رہیں گے۔

کاش! موجودہ حکمران ماضی سے سبق حاصل کرتے اور مدارس دشمنی سے باز رہتے۔ کراچی تا خیبر اہل مدارس حکومتی اقدامات کی وجہ سے شدید اضطراب کا شکار ہیں۔ خلاف واقعہ مدارس پر رجسٹریشن نہ کرنے کا الزام لگایا جا رہا ہے۔ مدارس قانون کے مطابق رجسٹریشن کرانے کے لئے تیار ہیں لیکن حکومتی ادارے رجسٹریشن کرنے کیلئے تیار نہیں۔ 26 ویں آئینی ترمیم موجودہ حکومت نے منظور کی اس ترمیم میں حکومت نے مدارس کی رجسٹریشن کا بل پیش کیا اور اسے منظور کرا کے ایکٹ بنایا جس کے مطابق مدارس کو اختیار ہے کہ وہ چاہیں تو وزارت تعلیم اسلام آباد یا سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹریشن کرائیں، مگر مدارس پر دباؤ ڈالا جا رہا ہے کہ رجسٹریشن وزارت تعلیم میں کرائیں ورنہ مدارس بند کر دیں گے، مہتمین اور علماء کرام پر مقدمات قائم اور نام فورتھ شیڈول میں ڈالے جائیں گے۔

اپنے اس غیر آئینی وغیر قانونی اقدام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوائف طلبی کے نام پر علماء کو ہراساں کرنے کی اطلاعات آ رہی ہیں جس کی وجہ سے پورے ملک میں اہل مدارس مضطرب ہیں۔

گزشتہ دنوں اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان پختونخوا کا اعلیٰ سطح کا اجلاس ہوا۔ صوبائی صدر مولانا حسین احمد کی سربراہی میں ہونے والے اجلاس میں تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے مولانا ڈاکٹر عبدالناصر لطیف، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کے مولانا عمر عبدالعزیز، مولانا عبدالبصیر رستمی، رابطہ المدارس الاسلامیہ پاکستان کے مولانا عبدالاکبر چترالی، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مولانا سید عبدالبصیر شاہ، مولانا حبیب الرحمٰن، حافظ محمد داؤد فقیر، مولانا ارشد علی قریشی وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کے علامہ عابد حسین شاکری کے علاوہ کثیر تعداد میں علماء وشیوخ نے شرکت کی، مدارس کی رجسٹریشن کے حوالے سے کوائف کی طلبی پر تحفظات کا اظہار کیا ہے۔ بہت سے علاقوں سے اطلاعات آ رہی ہیں کہ مدارس سے جو کوائف مانگے جا رہے ہیں اس قسم کے کوائف ماضی میں کبھی نہیں مانگے گئے۔ یہ صرف خیبر پختونخوا میں نہیں پورے ملک میں ہو رہا ہے۔ حکومت دانشمندی کا مظاہرہ کرے اور اس ایشو کو خوش اسلوبی سے طے کرے۔

خدمات وتحفظِ مدارس دینیہ کنونشن ملتان

مدارس ومساجد کے لیے سنگ میل

تحریر: مفتی عامر شعیب ڈیروی

مدرس جامعہ فاروقیہ شجاع آباد

مدارسِ دینیہ محض تعلیمی ادارے نہیں، بلکہ امتِ مسلمہ کی فکری و روحانی بقا کے مستحکم قلعے اور ایمان واخلاص کے روشن مینار ہیں۔ انہی کے بام و در سے ایمان کی روشنی پھیلتی ہے، انہی کے صحنوں سے قرآن وسنت کی خوشبو مہکتی ہے، انہی کے حجرہ ہائے درس سے وہ علم اُبھرتا ہے جو دلوں کو منور اور قوموں کو زندہ کرتا ہے۔ یہی وہ مراکزِ تربیت ہیں جہاں اخلاص وقربانی، صبر وایثار کے چراغ روشن رہتے ہیں، جہاں انسان کو محض عالم نہیں، بلکہ عبدِ صالح اور داعیِ حق بنایا جاتا ہے۔

مدارسِ دینیہ نے ہمیشہ امت کی قیادت ورہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔ کبھی منبر ومحراب سے علم وعرفان کے نقوش ثبت کیے، کبھی تحریک وعمل کے میدانوں میں قربانی وایثار کے باب رقم کیے، اور کبھی شہادت وصبر کے چراغوں سے تاریخ کو روشن کیا۔ اسلام کی تاریخ ہو یا پاکستان کی، ہر دور میں جب بھی دین، ایمان یا وطن پر کوئی آزمائش آئی، انہی مدارس کے سپوت صفِ اوّل میں ڈٹے نظر آئے۔ یہی مدارس آج بھی نسلِ نو کے لیے قرآن وسنت، ایمان واخلاق، اور شرعی تعلیمات کا سب سے مضبوط ذریعہ ہیں۔ یہ ادارے ملک وملت کی دینی، فکری، روحانی اور اصلاحی رہنمائی کا فریضہ خالصتاً رضاکارانہ طور پر انجام دے رہے ہیں۔

انہی مدارس سے ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں علماء، حفاظ، مبلغین اور مفتیان کرام پیدا ہوئے، جنہوں نے دین کی خدمت کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ یہ ادارے وہ مراکز ہیں جہاں ایک غریب کا بچہ بھی عزت ووقار کے ساتھ علمِ دین حاصل کرتا ہے۔ یہ نظام کسی طبقاتی فرق کو نہیں مانتا۔ یہاں کوئی فیس نہیں، کوئی دنیاوی لالچ نہیں، بلکہ خالص خدمتِ دین کا جذبہ ہے۔ مدارس کے نظام کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے ہمیشہ خودمختاری کو برقرار رکھا۔ یہ ادارے عوامی تعاون سے چلتے ہیں، یہی خودانحصاری ان مدارس کو آزاد اور باوقار بناتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا نصاب، ان کی تربیت اور ان کا مقصد کسی سیاسی مفاد سے وابستہ نہیں ہوتا، بلکہ خالصتاً دینی

مقاصد کے تابع ہوتا ہے۔

حکومتِ پاکستان کا مدارس کے ساتھ تعلق شروع دن سے پیچیدہ رہا ہے۔قیامِ پاکستان کے وقت مدارس کو ایک بنیادی تعلیمی ستون کے طور پر تسلیم کیا گیا، لیکن بعد کے ادوار میں سرکاری پالیسیوں نے ان کی خودمختاری پر اثر ڈالنے کی کوشش کی۔کبھی من پسند محکمے سے رجسٹریشن کے نام پر جبر اور دباؤ، کبھی نصاب میں مداخلت، اور کبھی آڈٹ کے باوجود فنڈنگ کے ذرائع پر پابندیاں، یہ سب مدارس کے لیے تشویش کا باعث رہے ہیں۔

مدارس کے تحفظ کی ضرورت آج پہلے سے کہیں زیادہ ہے۔دنیا میں فکری و تہذیبی یلغار کے اس دور میں یہ ادارے اسلامی شناخت کی دیوار ہیں۔ان کے تحفظ کا مطلب صرف چند عمارتوں کا تحفظ نہیں، بلکہ دین کی روح، فکرِ اسلامی اور امت کے ایمان کا تحفظ ہے۔اگر مدارس کمزور ہوئے تو یہ امت کے فکری زوال کا آغاز ہوگا۔لہٰذا ان کی آزادی، ان کے نصاب، ان کے نظام اور ان کے مالی ذرائع کو تحفظ دینا امت کی اجتماعی ذمہ داری ہے۔

کنونشن منعقد کرنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

1) 26ویں آئینی ترمیم میں مدارس کی رجسٹریشن کا مسئلہ سوسائٹی ایکٹ کے تحت طے ہوجانے کے باوجود مدارس پر سرکاری اہل کار جبری طور پر محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹرڈ کرنے کے لیے دباؤ ڈال رہے ہیں۔مدارس کے منتظمین کو دھونس، دھاندلی، دھمکیوں کے ذریعے مجبور کیا جارہا ہے کہ قانونی طور پر سوسائٹی ایکٹ کی بجائے محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کروائیں۔

2) مساجد کے ائمہ کا جبری ڈیٹا اور جبری طور پر انہیں سرکاری معاوضہ قبول کرنے کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

3) دینی مدارس میں ڈیٹا طلبی کے نام پر مداخلت، اہلکاروں کی دھمکیاں

4) دینی مدارس کے بینک اکاؤنٹس کی بندش اور نئے اکاؤنٹس کھولنے پر پابندی

مزید برآں، اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے مدارس کے لیے چیریٹی کمیشن سے الگ رجسٹریشن لازمی قرار دی ہے، جو ایک ریاست کے اندر ریاست قائم کرنے کے مترادف ہے۔

یہ سب اقدامات دراصل ان عظیم دینی مراکز کو کمزور کرنے اور ان کی خودمختاری ختم کرنے کی خطرناک کوششیں ہیں، جن کی وجہ سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ پنجاب کی قیادت نے اہل مدارس کو حوصلہ دینے، حکمرانوں کو واضح پیغام دینے، اور دینی مدارس کی خدمات کو اجاگر کرنے اور ان کے تحفظ کے عزم کو نئی قوت دینے کے لیے کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ کیا۔

چنانچہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان صوبہ پنجاب کے ناظم،شیخ الحدیث ،حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم نے اس سلسلے میں صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان،شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ،ناظم اعلی وفاق المدارس حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری صاحب دامت برکاتہم کی اجازت سے،سرپرست وفاق ،امیر جمعیت علمائے اسلام،قائد ملت اسلامیہ،حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب دامت برکاتہم سے،مؤرخہ 18 اکتوبر 2025ء اسلام آباد میں ملاقات کی۔ملاقات میں وفاق المدارس پنجاب کے ناظم حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب،معاون ناظم حضرت مولانا قاری عزیز الرحمن رحیمی صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد اویس عزیز صاحب مسئول وفاق المدارس اور راہنماء جمعیت علمائے اسلام ،ڈیجیٹل میڈیا کے کوآرڈینیٹر خواجہ حافظ محمد اسید اور حضرت مولانا محمد عمیر صدیقی بھی شامل تھے۔

وفد نے ملاقات میں قائد جمعیت دامت برکاتہم کو پنجاب کے حالات سے آگاہ کیا اور کنونشن کے لیے دعوت دی۔قائد جمعیت نے مقتدر حلقوں سے بات چیت بھی فرمائی اور کنونشن کے لیے وقت دینے کا بھی وعدہ فرمایا۔ایک روز بعد ہی حضرت قائد جمعیت دامت برکاتہم اور قائد وفاق حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم نے باہمی مشاورت سے کنونشن کے لیے یکم نومبر 2025ء کی تاریخ مقرر فرمادی۔تاریخ مقرر ہوتے ہی ناظم وفاق نے کنونشن کی کامیابی کے لیے دن رات ایک کر دیے۔

اس کنونشن میں ڈویژن ملتان ،ڈویژن بہاولپور،ڈویژن ڈیرہ غازی خان کے اضلاع،ضلع جھنگ،ضلع بکھر اور ضلع میانوالی کے مدارس کو شریک کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ان اضلاع کے مدارس کی تعداد چار ہزار سے زائد ہے۔چنانچہ متعلقہ مسئولین سے آن لائن اجلاس کر کے درخواست کی گئی کہ وہ کنونشن کی کامیابی کے لیے بھرپور محنت فرمائیں، نیز ہر چھوٹے بڑے مدرسے کی شرکت کو لازمی بنائیں۔کنونشن میں جمعیت علمائے اسلام کے مذکورہ اضلاع کے امراء ونظماء کو بھی جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے قائم مقام امیر حضرت مولانا صفی اللہ دامت برکاتہم ،جنرل سیکٹری جمعیت علمائے اسلام حافظ نصیر احمد احرار کے ذریعے دعوت دی گئی۔

کنونشن کے انتظامات کے لیے حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری کی سربراہی میں اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی کی سربراہی میں انتظامی کمیٹی تشکیل دی گئی۔کمیٹی کے ارکان میں

1) حضرت مولانا شمشاد صاحب دامت برکاتہم (رکن امتحانی کمیٹی ،ناظم تعلیمات جامعہ خیر المدارس)

2) حضرت مولانا عبدالمجید صاحب دامت برکاتہم (ناظم مرکزی دفتر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

3) حضرت مولانا محمد قاسم قاسمی صاحب دامت برکاتہم (معاون مسئول وفاق المدارس)

4) حضرت مولانا عبدالمنان صاحب دامت برکاتہم (ناظم جامعہ خیر المدارس)

5) حضرت مولانا مفتی محمد طیب معاویہ صاحب دامت برکاتہم (معاون مسئول وفاق و نائب مدیر جامعہ فاروقیہ شجاع آباد)

شامل تھے۔ کمیٹی کے جملہ ارکان نے نہایت محنت و اخلاص کے ساتھ بھرپور محنت فرمائی۔ روزانہ کی بنیاد پر اجلاس کیے اور انتظامات کو حتمی شکل دی۔ جامعہ خیر المدارس ملتان میں ششماہی امتحان کی چھٹیوں کے باوجود جامعہ خیر المدارس کے اساتذۂ کرام، طلبہ نے بھرپور خدمت کی۔ علاوہ ازیں جامعہ عمر بن خطاب ملتان، جامعہ دار العلوم رحیمیہ ملتان، جامعہ رحیمیہ ملتان اور جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے اساتذۂ کرام اور طلبہ نے انتظامات سنبھالے۔

اجتماع کا انعقاد و احوال:

بالآخر یکم نومبر 2025ء بروز ہفتہ بمطابق 9 جمادی الاولیٰ 1447ھ کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر انتظام، جامعہ خیر المدارس ملتان میں "خدمات و تحفظِ مدارسِ دینیہ کنونشن" منعقد ہوا۔ جو علم و عمل، بصیرت و بیداری، اخلاص و خدمت کا ایک تاریخی مظہر تھا، جس کا مقام خیر بھی اپنی نوعیت کا روحانی استعارہ تھا۔ جس نے یہ پیغام دیا کہ مدارسِ دینیہ کی خدمات محض درس و تدریس تک محدود نہیں، بلکہ ان کے رگ و پے میں وطن سے محبت اور تحفظِ اسلام و پاکستان کا جذبہ رواں دواں ہے۔ اس کنونشن میں جنوبی پنجاب کے چار ہزار سے زائد دینی مدارس و جامعات کے مہتممین، اساتذہ، ناظمین، اور کارکنان نے شرکت کی۔ چہار سمت سے قافلے آتے گئے، علم کے چراغوں کا ایک سمندر جمع ہوا، اور فضائے ملتان "تحفظ و دفاع مدارس" کے نعروں سے گونج اُٹھی۔ یہ اجتماع دراصل اہلِ حق کی آواز، اہلِ مدارس کا عزم، اور وفادارانِ دین کی وحدت کا مظہر بن گیا۔ اجتماع کی صدارت قائد مدارس دینیہ، ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان، آیۃ الخیر حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری دامت برکاتہم نے فرمائی۔

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان، شیخ الاسلام، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بیرون ملک ہونے کی وجہ سے اپنے ٹیلیفونک خطاب میں دوٹوک فرمایا کہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں، ان کی حریت پر کسی قسم کی مصلحت قبول نہیں۔ اگر ریاست وظائف یا فنڈز کے ذریعے علماء کو خریدنا چاہتی ہے تو یہ سودا ممکن نہیں۔ دین کی خدمت کا سرمایہ صرف اخلاص ہے، حکومت کی چیک بک نہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ دار العلوم کراچی کا ماہانہ خرچ کروڑ روپے سے تجاوز کرتا ہے، مگر کبھی حکومتی امداد قبول نہیں کی گئی، کیونکہ یہ دین کی آزادی کا سودا ہے۔ مدارس کے لیے آنے والی امدادی پیشکشوں کو شایانِ شان انداز میں مسترد کیا گیا، تاکہ آنے والی نسلوں کو یہ پیغام دیا

جائے کہ "حریتِ دین ہر صورت میں مقدم ہے" انہوں نے اعلان کیا کہ مدارس کی آزادی پر آنچ آئی تو امتِ مسلمہ کے یہ سپاہی ہر محاذ پر ڈٹ کر کھڑے ہوں گے، کیونکہ یہ مدارس ہی ہیں، جنہوں نے دین، ایمان اور تہذیب کی حفاظت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا رکھا ہے۔

قائد مدارس دینیہ، حضرت مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری دامت برکاتہم نے اپنے تفصیلی خطاب میں مدارس کے علمی، فکری، اصلاحی، اور سماجی کردار کو مدلل انداز میں بیان کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ "مدارس اس ملک کی بنیادوں کے محافظ ہیں۔ 30 لاکھ سے زائد طلبہ و طالبات انہی مدارس میں قرآن، حدیث، فقہ، اور اسلامی علوم کے ساتھ بغیر کسی معاوضے کے جدید تعلیم بھی حاصل کر رہے ہیں"۔ یہ ادارے نہ صرف علمِ دین کے مراکز ہیں، بلکہ ایک عظیم فلاحی نیٹ ورک ہیں، جو لاکھوں طلبہ وطالبات کو مفت تعلیم، رہائش، کھانا، اور تربیت فراہم کر رہے ہیں۔ ایک نظام تعلیم کے تحت ملک کی ساری اکائیوں پنجابی، سندھی، بلوچی، پٹھان اور سرائیکی وغیرہ کو یکجا کیے ہوئے۔ یہ مدارس دہشت گردی کے حامی نہیں، دہشت گردی کے خلاف ریاست کے معاون ہیں۔ انہوں نے یہ وضاحت بھی کی کہ کہا جاتا ہے مولوی لڑکیوں کی تعلیم کے خلاف ہیں، جبکہ پاکستان میں سب سے زیادہ مدارس لڑکیوں کے ہیں۔ وفاق المدارس کے تحت اس سال لڑکے ایک لاکھ ساٹھ ہزار، جبکہ لڑکیاں تین لاکھ اسی ہزار درس نظامی کا امتحان دیں گی۔

قائد وفاق کا لہجہ تپشِ غیرت اور دردِ امت سے لبریز تھا۔ انہوں نے حکومت کے اس طرزِ عمل پر سخت احتجاج کیا کہ مدارس کے اساتذہ اور منتظمین کی کوائف کے نام پر ذاتی اور خاندانی تذلیل کی جا رہی ہے۔ انہوں نے سرکاری افسران کی غیرت کو جھنجھوڑتے ہوئے فرمایا: تم کوائف طلبی کے نام پر دینی مدارس میں جا کر مدرسے کی استانیوں مہتمم اور اساتذہ کی بیویوں اور بیٹیوں کے نام اور موبائل نمبر مانگتے ہو، تمہیں شرم نہیں آتی!؟۔ انہوں نے فرمایا: 26ویں آئینی ترمیم میں مدارس رجسٹریشن کا قانون بن چکا، پھر بھی مدارس انتظامیہ کو ڈرا دھمکا کر اور بلیک میل کر کے زبردستی وزارت تعلیم کے تحت رجسٹریشن کا دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ انہوں نے گفتگو کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے فرمایا: ہمیں کوئی پاکستان کی سلامتی اور استحکام کا سبق نہ پڑھائے، پاکستان کے مفادات نہ سمجھائے، ہمارے اکابر نے تحریک آزادی میں حصہ لیا، ہزاروں علماء نے جانیں قربان کیں۔ ہم نے ہر دور میں ہمیشہ بات چیت اور دلائل کا راستہ اپنایا ہے، اگر تم چاہتے ہو کہ ہم اپنی طاقت سے اپنا حق لیں تو یاد رکھو! تو پھر ہم سر پہ کفن باندھ کے نکلیں گے۔ خطاب کے آخر میں انہوں نے نمناک آنکھوں اور گلوگیر آواز میں عہد کیا کہ ہم دینی مدارس کے تحفظ اور دینی وقار کے دفاع کے لیے ہر قدم اٹھائیں گے۔ جان قربان کر دیں گے مگر اکابرین کے مشن پر آنچ نہیں آنے دیں گے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ناظم وفاق المدارس پنجاب و مہتمم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد نے، اپنے خطاب میں فرمایا کہ "دینی مدارس نہ صرف علم وتربیت کے مراکز ہیں، بلکہ ان کی تاریخ قربانی اور خدمت سے مزین ہے۔ جب بھی ملک پر کوئی افتاد آئی، چاہے 1965ء کی جنگ ہو یا 2022ء اور 2025ء کا سیلاب، یہی مدارس تھے جو سب سے پہلے میدانِ خدمت میں اُترے۔ مدارس کے اساتذہ وطلبہ نے ہمہ وقت وطنِ عزیز کے ساتھ اپنی وفاداری ثابت کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف میدانِ علم میں بلکہ میدانِ عمل میں بھی اسلام اور پاکستان کا دفاع کیا ہے۔ انہوں نے واضح انداز میں کہا کہ مدارس دین کے مراکز ہیں جو اخلاص، ایثار اور ایمان کے سہارے سے چلتے ہیں۔ اگر حکومت یہ گمان رکھتی ہے کہ دھمکیوں، جبر یا چند رقومات کے ذریعے مدارس کو قابو کرلے گی، تو یہ اس کی خام خیالی ہے۔ آپ نے عزم ویقین کے لہجے میں فرمایا: ہم نے اپنے اسلاف سے یہی سبق لیا ہے کہ دفاعِ مدارس دراصل دفاعِ دین ہے، اور ہم اس دفاع کی راہ میں ہر قدم، ہر قیمت پر ڈٹے رہیں گے۔

کنونشن کا آخری اور تفصیلی خطاب، سرپرست وفاق، قائد ملت اسلامیہ حضرت مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم نے فرمایا۔ ان کے لہجے میں امت کے دکھوں کی چبھن بھی تھی، ایمان کی حرارت بھی، اور مدارسِ دینیہ کے تحفظ کا غیر متزلزل عزم بھی۔ انہوں نے آغاز ہی میں تاریخ کے افق سے ایک تابناک حقیقت کو نمایاں کرتے ہوئے فرمایا کہ پاکستان محض ایک خطہ نہیں، ایک نظریہ ہے جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس سرزمین کے لیے اپنے لہو کی ندیاں بہائیں، اپنی نسلیں قربان کیں۔

پنجاب کے علماء کے اس عظیم اجتماع سے خطاب میں قائد ملت اسلامیہ نے واضح کیا کہ اکابرِ دیوبند کی نگاہ میں اسلام کی آفاقیت اور عالمگیریت ہی اصل امتیاز تھا۔ اگر کسی کے فکر وعمل میں وہ وسعتِ نظر، وہ اعتدال اور وہ مزاجِ امت نہیں پایا جاتا، تو چاہے وہ ظاہراً دیوبندی کہلاتا ہو، حقیقت میں تنگ نظری کا شکار ہے۔ مولانا نے اس عالمی سازش کی طرف توجہ دلائی جس کا مقصد نوجوانوں کو مشتعل کرکے انہیں مٹانا ہے۔ فرمایا کہ بین الاقوامی ایجنڈا یہی ہے کہ مذہبی نوجوانوں کو اشتعال دلا کر ان کا خاتمہ کر دیا جائے۔ لیکن وفاق المدارس اور جمعیت علماء اسلام نے اس منصوبے کو ناکام بنا دیا یہی وجہ ہے کہ آج حکمران ان دونوں اداروں سے نالاں ہیں، کہ انہوں نے نوجوانوں کو انتہا پسندی کے بجائے اعتدال اور شعور کی راہ دکھائی۔

مولانا نے دوٹوک الفاظ میں اعلان کیا کہ مدارس پر یہ الزام لگانا کہ وہ تشدد کی تعلیم دیتے ہیں، سراسر جھوٹ اور مغرب کی ایجاد کردہ اصطلاحات کا فریب ہے۔ "دہشت گردی" اور "انتہا پسندی" کے الفاظ نائن الیون کے بعد تخلیق کیے گئے، تاکہ مدارسِ اسلامیہ کو بدنام کیا جاسکے۔ انہوں نے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ آج مذہب سے

لاتعلقی کو "روشن خیالی" کہا جا رہا ہے، حالانکہ حقیقی روشن خیالی تو وہ ہے جو مدرسہ پیدا کرتا ہے، وہ جو دلوں کو نورِ قرآن سے منور کرتا ہے، جو اخلاق، علم، اور شعور عطا کرتا ہے۔ لیکن افسوس! مدرسہ کو اصحابِ کہف کے غار کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ حالانکہ اسلام میں علومِ قدیم وجدید یا دینی وعصری کی کوئی تقسیم نہیں۔ مولانا نے اسلام اور آئینِ پاکستان کے رشتے کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ آئین نے اسلام کو مملکتِ پاکستان کا مذہب قرار دیا ہے اور اسی مقصد کے لیے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی گئی، مگر آج تک اس کونسل کی ایک بھی سفارش پر قانون سازی نہ ہو سکی۔ کیا یہ اسلامی جمہوریہ ہے یا سیکولر مملکت؟ یہ وہ سوال ہے جو ہر باشعور مسلمان کے ضمیر کو جھنجھوڑتا ہے۔

انہوں نے بین الاقوامی اسٹیبلشمنٹ کے منافقانہ رویّے کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا کہ یہ طاقتیں فساد بھی مچاتی ہیں تو "معصوم" جملوں کے لبادے میں۔ آج کہا جاتا ہے کہ ہم مدارس کو قومی دھارے میں لانا چاہتے ہیں۔ ہم قومی دھارے میں آنے کو تیار ہیں، لیکن تم پہلے اسلامی دھارے میں تو آؤ! تم اسلام کے دھارے میں شامل ہو جاؤ، ہم خود بخود تمہارے قومی دھارے میں آ جائیں گے۔

مولانا نے "اوقاف" کے نئے قانون کو بھی بین الاقوامی سازش کا حصہ قرار دیا۔ فرمایا کہ یہ قانون شریعت کے بنیادی ضوابط کے منافی ہے، جسے پہلے ہندوستان میں نافذ کیا گیا اور اب پاکستان میں وہی قانون بین الاقوامی دباؤ کے تحت لایا جا رہا ہے۔ اوقاف کی زمینوں پر ناجائز قبضے کیے جا رہے ہیں، اور یہ سب کچھ اصلاح کے نام پر ہو رہا ہے۔ اسی تناظر میں مولانا نے موجودہ حکومت کی اس نئی پالیسی کی شدید مذمت کی جس کے تحت مساجد کے ائمہ کو پچیس ہزار روپے ماہانہ وظیفہ دینے کا اعلان کیا گیا ہے۔ فرمایا کہ یہ منصوبہ کنٹرول اور غلامی کے ایک نئے نظام کا آغاز ہے۔ حکومت ائمہ کو مالی لالچ دے کر اپنے مقاصد حاصل کرنا چاہتی ہے، تاکہ منبر ومحراب کی آواز کو اپنے حق میں موڑا جا سکے۔ یہ منہ بند کرنے کی ایک کوشش ہے، ایک شرمناک سودا ہے اور ہم اعلان کرتے ہیں کہ دین کے خادم کبھی بکاؤ نہیں ہو سکتے۔ مولانا نے واضح کیا کہ مدرسہ سرکار کا نہیں، امت کا ادارہ ہے۔ اگر حکومت اپنے ملازمین کو تنخواہ دے، یہ اس کا حق ہے۔ مگر مدرسہ اور مسجد کے امام وخطیب اگر سرکاری پیسے سے چلیں تو منبر کی آزادی ختم ہو جائے گی۔ یہ صرف مالی مداخلت نہیں، بلکہ فکری غلامی کی چال ہے۔ ہم ایسے کسی منصوبے کو نہ قبول کرتے ہیں نہ قبول کرنے دیں گے۔

مولانا فضل الرحمن کا لہجہ آخر میں مزید شدت اختیار کر گیا۔ فرمایا کہ ہماری پشت پر ڈھائی سو سال کی تاریخ ہے۔ ہم نے کبھی ظلم کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ اگر حالات مجبور کریں تو ہم مدارس، علماء، اور دینی علوم کے تحفظ کے لیے

میدان میں نکلنے کو تیار ہیں۔ پھر عزم وجلال کے ساتھ اعلان فرمایا: ہمیں مجبور نہ کرو کہ پورے ملک سے قافلے نکل پڑیں اور چوبیس گھنٹوں کے اندر اسلام آباد کا رخ کریں۔ اگر قوم کے دکھوں میں، سیلابوں میں، زلزلوں میں، مصیبتوں میں علماء قوم کے ساتھ کھڑے ہیں، تو اقتدار کا حق بھی انہی کا ہے۔ آخر میں فرمایا: ”وفاق المدارس اور اتحاد تنظیمات مدارس سے وابستہ مدارس ہی اصل مدارس ہیں، باقی ڈمی ادارے ہیں۔ حکومت چاہے تو انہیں سہارا دے، مگر ہم سے یہ توقع نہ رکھے کہ ہم حق کی آواز کو خاموش کر دیں گے“۔

مولانا فضل الرحمن کا یہ خطاب دراصل مدارسِ دینیہ کے تحفظ، علماء کے احترام، اور باطل نظامِ غلامی کے خلاف اعلانِ حریت تھا۔

کنونشن سے وفاق المدارس پنجاب کے ناظم حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب، وفاق المدارس کے معاون ناظم حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن رحیمی صاحب، حضرت مولانا مفتی طاہر مسعود صاحب سرگودھا، رکن مجلس عاملہ حضرت مولانا مفتی محمد حامد حسن صاحب، جمعیت علمائے اسلام پنجاب کے قائم مقام امیر حضرت مولانا صفی اللہ صاحب، جمعیت علمائے اسلام کے جنرل سیکٹری حافظ نصیر احمد احرار صاحب، جمعیت علمائے اسلام کے راہنماء حضرت مولانا حبیب الرحمٰن درخواستی صاحب، اہل السنت والجماعت کے راہنماء حضرت مولانا لطف اللہ لدھیانوی صاحب، حضرت مولانا حبیب اللہ نقشبندی جھنگ، حضرت مولانا شمشاد صاحب رکن امتحانی کمیٹی وفاق المدارس، حضرت مولانا احمد حنیف جالندھری نائب مہتمم جامعہ خیر المدارس ملتان، حضرت مولانا حبیب الرحمن مسئول وفاق المدارس کہروڑپکا، حضرت مولانا عامر فاروق عباسی مسئول وفاق المدارس رحیم یار خان، حضرت علامہ مولانا عبدالحق مجاہد ملتان، حضرت مولانا حبیب الرحمن تونسوی مسئول وفاق المدارس تونسہ، حضرت مولانا پیر عمر قریشی مسئول وفاق المدارس کوٹ ادو، حضرت مولانا مفتی محمد طیب معاویہ الازہری سمیت متعدد شخصیات اور اکابرین ملت نے خطاب کیا اور اجلاس میں مختلف قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔ کنونشن کا اعلامیہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم نے پیش کیا۔

اعلامیہ: خدمات وتحفظ مدارس دینیہ کنونشن

بتاریخ 9 جمادی الاولی 1447ھ بمطابق یکم نومبر 2025ء بروز ہفتہ بمقام: جامعہ خیر المدارس اورنگزیب روڈ ملتان

آج مؤرخہ یکم نومبر 2025ء بروز ہفتہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زیر اہتمام ”خدمات وتحفظ مدارس دینیہ کنونشن“ بمقام جامعہ خیر المدارس اورنگزیب روڈ ملتان منعقد ہوا۔ کنونشن میں صوبہ پنجاب کے جنوبی اضلاع کے

چار ہزار سے زائد دینی مدارس وجامعات کے مہتممین وذمہ داران نے بطور خاص شرکت کی۔ کنونشن سے:

شیخ الاسلام، حضرت اقدس مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

قائد ملت اسلامیہ، حضرت اقدس مولانا فضل الرحمن دامت برکاتہم (سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

قائد وفاق المدارس حضرت مولانا محمد حنیف جالندھری دامت برکاتہم (ناظم اعلی وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

شیخ الحدیث حضرت مولانا زبیر احمد صدیقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ (مہتمم جامعہ فاروقیہ شجاع آباد وناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان پنجاب)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحمن صاحب دامت برکاتہم (ناظم وفاق المدارس العربیہ پاکستان پنجاب)

حضرت مولانا صفی اللہ دامت برکاتہم (قائم مقام امیر جمعیت علماء اسلام پنجاب ومہتمم جامعہ قادریہ بھکر)

حافظ نصیر احمد احرار صاحب دامت برکاتہم (جنرل سیکرٹری جمعیت علماء اسلام پنجاب)

اور اراکین مجلس عاملہ، متعدد دینی جماعتوں کے قائدین، اکابرین ملت اور اساطین امت نے خطاب کیا۔

کنونشن میں دینی مدارس وجامعات کی دینی، تعلیمی، اصلاحی، فکری، سیاسی، رفاہی، تصنیفی اور دعوتی خدمات کو اجاگر کیا گیا اور قیام واستحکام وطن کے لیے دینی مدارس کی کاوشوں کو سراہا گیا۔

اکابرین ملت نے واضح کیا کہ دینی مدارس وجامعات نسل نو کو ایمان، دین اور شرعی تعلیمات پہنچانے کا واحد ذریعہ اور ملک وملت کی دینی وروحانی اور اصلاحی راہنمائی کا رضا کارانہ فریضہ سرانجام دے رہے ہیں، یہی وہ ادارے ہیں جو اپنی مدد آپ کے تحت 30 لاکھ سے زائد طلبہ وطالبات کو حفظ قرآن کریم تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر دینی علوم کے ساتھ مفت میٹرک، ایف اے، بی اے، بی ایس اور اے لیول، او لیول تک تعلیم بھی فراہم کر رہے ہیں۔

یہ ادارے نہ صرف مفت تعلیم دینے کی سب سے بڑی تنظیم ہیں، بلکہ لاکھوں طلبہ کو مفت رہائش، مفت کھانا اور بہترین تربیت بھی فراہم کر رہے ہیں، لاکھوں لوگوں کا روزگار ان اداروں سے وابستہ ہے۔ دینی مدارس کے سبب بر صغیر کو آزادی نصیب ہوئی، تاریخ آزادی ہند میں سب سے بڑا کردار دینی مدارس وجامعات کا ہے، جسے مسلمانوں کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔

دینی مدارس قیام پاکستان میں بھی پیش پیش رہے، آج جس مرکز میں یہ اجتماع انعقاد پذیر ہے اس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد تھے، آپ کے علاوہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ، علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ، حضرت مولانا مفتی محمد حسن رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد صادق

بہاولپوری رحمہ اللہ جیسے اکابر کی بدولت اس وطن کا حصول ممکن ہوا۔ قیام پاکستان کے بعد پاکستان کے آئین کی تدوین اور قرارداد مقاصد کی ترتیب بھی انہیں دینی مدارس و جامعات کے اکابرین کی بدولت ہوئی۔

دینی مدارس ہی کی بدولت ملک میں خیر کی شکلیں وجود میں آتی رہتی ہیں اور جملہ دینی شعبہ جات انہیں مدارس کے دم قدم سے قائم ہیں۔ دینی مدارس اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے ساتھ روز اول سے ریاست اور وطن کی حفاظت و خدمت کے لیے بھی سب سے آگے ہیں۔ 1965ء کی جنگ سے آپریشن بنیان مرصوص تک دینی مدارس کے ہزاروں فضلا و لاکھوں طلبہ اور دینی مدارس کی قیادت نے پاک فوج کے شانہ بشانہ دفاع وطن کی جنگ لڑی ہے، یہ دینی مدارس آئین پاکستان کے ساتھ نہایت ہی مضبوطی سے اپنا رشتہ استوار کیے ہوئے ہیں، اور ریاست کے خلاف مسلح جدوجہد کو نا صرف مسترد کرتے ہیں، بلکہ اعلان حق کی پاداش میں اپنے بہت سے اکابر کی قربانیاں بھی دے چکے ہیں۔

دینی مدارس ملک میں آنے والی ہر افتاد اور ناگہانی آفت میں بھی خدمت کا استعارہ بن کر قوم و ملت کی خدمت میں پیش پیش نظر آتے ہیں، 2005ء کا زلزلہ ہو، 2010ء کا سیلاب ہو، 2022ء کا سیلاب ہو یا 2025ء کا سیلاب، ملک بھر میں مدارس کے بوریا نشین خلق خدا کی خدمت میں سب سے پہلے اور سب سے زیادہ خدمت کرتے نظر آتے ہیں۔ ملک میں نفاذ شریعت، نظام مصطفی کا نفاذ ختم نبوت، ناموس صحابہ و اہل بیت اور آئین کی اسلامی دفعات کا تحفظ بھی ہمیشہ دینی مدارس کے فضلاء ارکان اسمبلیوں کی بدولت ہوا۔

بحمد اللہ! وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے معتدل الفکر دینی مدارس کا سب سے بڑا بورڈ رہے ہیں، جس کی چھتری تلے ہزاروں مدارس چاروں صوبوں، گلگت، آزاد کشمیر کے شہر شہر، گاؤں گاؤں قصبوں دیہاتوں، پہاڑوں اور ریت کے ٹیلوں پر بھی قائم ہیں۔

افسوس کہ قیام پاکستان کے بعد ریاست نے دینی تعلیم کو نظر انداز کر دیا، جس کے سبب دینی مدارس کا وجود ناگزیر ہو گیا، ریاستی ذمہ داری دینی مدارس نے ادا کرنا شروع کی، جو کہ بحمد اللہ جاری ہے۔

قیام پاکستان کے بعد ہی سے انگریز کی باقیات نے دینی مدارس کے خلاف ریشہ دوانیوں اور سازشوں کا جال بننا شروع کر دیا۔ جو 9/11 کے بعد منتظم شکل اختیار کر گیا، بین الاقوامی دباؤ اور انگریز کی باقیات کے تعصب کی وجہ سے مدارس کو ایک عرصہ سے کٹہرے میں لا کھڑا کیا ہے۔ مدارس پر دہشت گردی کے الزامات، رجسٹریشن، بینک اکاؤنٹس پر پابندی، آئے روز کوائف طلبی، قربانی کی کھالیں جمع کرنے پر پابندی، ارباب مدارس کو فورتھ شیڈول اور افغان ٹرینڈ بوائے جیسی دہشت گردی کی دفعات میں شمولیت

معمول بن چکا ہے، دینی مدارس کو کالعدم تنظیموں کی طرح کیٹگری اے بی سی میں تقسیم کر کے ان کے ساتھ دہشت گردوں جیسا سلوک روا رکھا جارہا ہے۔

26 ویں آئینی ترمیم میں سلم لیگ ن کی حکومت کی جانب سے دینی مدارس کی رجسٹریشن سوسائٹی ایکٹ کے تحت طے ہوجانے کے باوجود اداروں، بیوروکریسی، اور پولیس کے ذریعے دینی مدارس کو جبری طور پر محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن پر مجبور کیا جارہا ہے، مدارس کے اکاؤنٹس نہیں کھولے جارہے، اور پرانے اکاؤنٹس بند کیے جارہے ہیں، اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے دینی مدارس کے لیے چیریٹی کمیشن سے رجسٹریشن ضروری قرار دے رکھی ہے، جو ایک الگ رجسٹریشن ہے اور ریاست میں ریاست قائم کرنے کے مترادف ہے۔

الغرض! یہ اقدامات جان بوجھ کر دینی مدارس کو بند کرنے یا کمزور کرنے کے لیے اٹھائے جارہے ہیں، آج کا یہ اجتماع ان اقدامات کی بھرپور مذمت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ دینی مدارس کے خلاف ان اقدامات کو نہ روکا گیا تو ارباب مدارس راست اقدام کریں گے۔

یہ اجتماع محکمہ تعلیم کے ساتھ جبری رجسٹریشن کو حکومتی بدنیتی اور دینی مدارس میں مداخلت کا راستہ سمجھتا ہے۔ یہ امر بھی واضح ہے کہ ایسے اقدامات صرف صوبہ پنجاب میں کیے جارہے ہیں، باقی تین صوبوں میں اس طرح کے اقدامات نہیں ہورہے۔

یہ اجتماع حکومت پنجاب کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر دینی مدارس کے خلاف ان اقدمات کو نہ روکا گیا، تو آئندہ چند روز میں فیصل آباد، راولپنڈی اور لاہور میں اجتماعات کا انعقاد ہوگا۔ ان اجتماعات میں مدارس کے تحفظ کے لیے حتمی اور فیصلہ کن اعلانات کیے جائیں گے۔ (جاری کردہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

کنونشن میں پیش کردہ قرارداد و مطالبات:

کنونشن میں درج ذیل مطالبات پیش کیے گئے، جو اجتماع کی متفقہ قرارداد کا حصہ ہیں:

1) وطن عزیز پاکستان جس مقصد کے لیے حاصل کیا گیا تھا، آج بھی وہ مقصد تشنہ تکمیل ہے۔ لہذا شہداء پاکستان کی روحوں کے ساتھ وفا کرتے ہوئے ملک میں عملا اسلام اور شریعت کو نافذ کیا جائے۔

2) یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ 26 ویں آئینی ترمیم پر عمل کرتے ہوئے فی الفور ملک سے سود کا خاتمہ کیا جائے۔

3) یہ اجتماع اقلیتوں کے حقوق کے نام پر ہر ایسے بل کو مسترد کرتا ہے، جس سے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ

وسلم، قانون ختم نبوت اور اسلامی دفعات کو خطرات لاحق ہوں۔

4) یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ 26 ویں آئینی ترمیم پر عمل کرتے ہوئے، حسب وعدہ چاروں صوبوں اور آزاد کشمیر میں بھی مدارس کی سوسائٹی ایکٹ کے ساتھ رجسٹریشن کا قانون منظور کرتے ہوئے، آئینی تقاضے کے مطابق مدارس کی فوری رجسٹریشن کی جائے۔

5) مدارس کا یہ نمائندہ اجتماع مساجد کے ائمہ کے لیے مقرر کیے گئے وظیفے کو مساجد میں حکومتی مداخلت تصور کرتے ہوئے مسترد کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ اگر حکومت مساجد کی خدمت چاہتی ہے تو مساجد اور دینی مدارس کے یوٹیلیٹی بل معاف کردیے جائیں یا ان میں تخفیف کی جائے۔

6) یہ اجتماع دینی مدارس کے بینک اکاؤنٹس پر پابندی کے خاتمے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اس سلسلہ میں اسٹیٹ بینک آف پاکستان کے رولز میں تبدیلی کا بھی مطالبہ کرتا ہے۔

7) دینی مدارس کا یہ اجتماع دینی مدارس کے لیے قربانی کی کھالوں کے اجازت نامہ کو عبادت میں مداخلت اور دینی مدارس کی معاشی رگ کاٹنے کا ذریعہ سمجھتا ہے۔ ماضی میں قربانی کی کھالیں جمع کرنے پر دہشت گردی کے مقدمات کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ قیام پاکستان سے 2018ء تک کی روایت کے مطابق اس پابندی کا خاتمہ کیا جائے۔

8) یہ اجتماع دینی مدارس کے لیے فنڈ ریزنگ کرنے والوں پر پنجاب کے مختلف علاقوں میں بھکاری ایکٹ کے تحت مقدمات کی بھرپور مذمت کرتے ہوئے ایسے اقدامات کے روکنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

9) دینی مدارس کا یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ دینی مدارس کو دہشت گردی کے اداروں کے دائرہ کار سے نکال کر آزادی سے کام کرنے دیا جائے۔

10) اہل علم کا یہ نمائندہ اجتماع ریاست کے خلاف مسلح جدوجہد اور ہر قسم کی دہشت گردی کو مسترد کرتا ہے، یہ اجتماع اہل علم کے اصولی اور متفقہ موقف کا اعادہ کرتا ہے کہ پاکستان ایک اسلامی ریاست ہے اس کے خلاف ہتھیار اٹھانا حرام اور ناجائز ہے۔

11) وفاق المدارس کا یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ حالیہ سیلاب میں متاثر ہونے والی مساجد کو بھی سروے میں شامل کر کے مساجد کی تعمیر کا انتظام کیا جائے۔

12) یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ دینی مدارس کی منظور شدہ اسناد کو مختلف حیلوں، بہانوں کے ساتھ غیر مؤثر کر دینے کی پالیسی کو ختم کیا جائے اور فضلاء مدارس کو ان اسناد کی بنیاد پر مختلف شعبوں میں جامعات و مدارس کو خدمت

وطن کا بھرپور موقع دیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں منعقدہ خدمات وتحفظِ مدارسِ دینیہ کنونشن دراصل ایک عظیم عہدِ تجدید تھا، جو محض تقریروں کا مجموعہ نہیں، بلکہ ایک پیغامِ غیرت وبیداری تھا، جس نے پوری قوم کو یہ باور کرایا کہ مدارس کی حریت، خودمختاری اور دینی تشخص پر کسی کو دست درازی کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ کنونشن اس امر کی یاددہانی تھا کہ مدارس دینیہ اسلام کی بقاء کے ستون ہیں، ان کے چراغوں سے ہی علم وایمان کی روشنی پھیلتی ہے، اوران کے درودیوار امت کے روحانی وجود کی علامت ہیں۔تمام علماء وطلباء نے یہ عہد کیا کہ وہ ہر اس منصوبے کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر کھڑے ہوں گے، جو مدارس کی آزادی کو محدود کرنے یا ان کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کرے گا۔

اجتماع کی انتظامی خدمات میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے منتظمین، وفاق المدارس کے دفتر کے فعال و مخلص رکن مولانا عبدالمجید صاحب، ان کے رفقائے کار، جامعہ خیر المدارس ملتان کے اساتذہ وطلبہ نے جس جانفشانی، نظم وضبط اوراعلیٰ مہمان نوازی کا مظاہرہ کیا وہ قابلِ تحسین ہے۔اسی طرح جامعہ فاروقیہ شجاع آباد کے اساتذہ وطلبہ نے حضرت مولانا مفتی محمد طیب معاویہ صاحب اور مولانا محمد عمیر صدیقی صاحب کی سرپرستی میں پنڈال کی سیکورٹی کی ذمہ داری جس غیر معمولی جذبۂ خدمت واخلاص سے نبھائی، وہ لائقِ ستائش ہے۔آخر میں اس عزم و عہد کو دہراتے ہوئے مکرر عرض ہے کہ ہم دین کے قلعوں مدارس کی حفاظت کے لیے ہر قربانی دیں گے، کیونکہ یہ ہماری عزت، ہماری غیرت، اور ہمارے ایمان کی علامت ہے۔

بقیہ: اخبارالوفاق

اس واقعہ پر قائدین وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، سینئر نائب صدر مولانا انوار الحق، ناظم اعلی مولانا محمد حنیف جالندھری، نائب صدور مولانا عبیداللہ خالد، مولانا سید سلیمان بنوری، مولانا سعید یوسف، صوبائی نظماء واراکین مجلس عاملہ نے قاضی نثار احمد پر حملہ پر گہری تشویش کا اظہار کرتے ہوئے افسوسناک واقعہ قرار دیا، نیز قائدین وفاق المدارس نے سیکورٹی کے باوجود اس قسم کے حملہ پر گہری تشویش کا اظہار بھی کیا، اس موقع پر گلگت حکومت وانتظامیہ سے فوری طور حملہ آوروں کو فوری گرفتار کر کے قرار واقعی سزا دینے کا مطالبہ کرتے ہوئے تمام زخمیوں کو فوری طور علاج کی مکمل سہولیات بھی فراہم پر زور دیا۔قائدین وفاق المدارس نے مولانا سمیت تمام زخمیوں کی جلد اور فوری صحت یابی کیلئے خصوصی دعاؤں کے اہتمام کی اپیل بھی کی۔

اخبار الوفاق

وزیر دفاع خواجہ آصف کے غیر ذمے دارانہ بیانات کا نوٹس لیا جائے

(12/ نومبر 2025ء) وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے قائدین صدر وفاق حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، نائب صدر وفاق مولانا انوار الحق اور ناظم اعلیٰ وفاق المدارس مولانا محمد حنیف جالندھری نے وفاقی وزیر دفاع خواجہ محمد آصف کے مدارس کے بارے میں بیان کو حقائق کے منافی قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ خواجہ آصف کی طرف سے اسلام آباد میں ہزاروں مدارس کے قبضے کی زمین پر ہونے کا الزام بالکل بے بنیاد ہے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے کہا کہ خواجہ آصف نے غلط اعداد وشمار پیش کر کے انتہائی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے اس لئے کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے کہا کہ افغان جہاد ریاست کی پالیسی تھی اس کا الزام مدارس کو نہ دیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان میں دہشت گردی اور انتہا پسندی خواہ مذہبی، سیاسی، لسانی جس بنیاد پر بھی ہو قابل مذمت ہے۔ اس کے اصل اسباب پر غور کیا جائے اور مدارس کو بلا وجہ ہدف نہ بنایا جائے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے کہا کہ خواجہ آصف نے کچھ ہی عرصہ قبل مدارس کے طلبہ کو وطن عزیز کی سیکنڈ دفاعی لائن قرار دیا تھا اور آج انہوں نے سارا ملبہ مدارس پر ڈالنے کی کوشش کی جو افسوس ناک ہے۔ وفاق المدارس کے قائدین نے میاں محمد نواز شریف اور وزیر اعظم پاکستان میاں شہباز شریف سے خواجہ محمد آصف کے اس غیر ذمہ دارانہ اور سراسر غلط بیان کا نوٹس لینے اور آئندہ کے لیے تمام حکومتی ذمہ داران کو مدارس کے خلاف غیر ذمہ دارانہ بیانات دینے سے روکنے کا مطالبہ کیا۔

کوائف طلبی کے نام پر مدارس کے ساتھ امتیازی رویہ ناقابلِ برداشت ہے

(پشاور) کوائف طلبی کے نام پر مدارس کے ساتھ امتیازی رویہ ناقابلِ برداشت ہے، یہ سلسلہ فوری طور پر بند کیا جائے۔ سی ٹی ڈی کی طرف سے تیار شدہ فارم کو یکسر طور پر مسترد کرتے ہیں۔ مدارس کو محکمہ تعلیم کے ساتھ زبردستی رجسٹریشن پر مجبور کرنا آئین کی خلاف ورزی ہے۔ ان خیالات کا اظہار اتحاد تنظیماتِ مدارسِ پاکستان خیبر پختونخوا کے صوبائی صدر مولانا حسین احمد نے اتحاد تنظیماتِ مدارس کے مشترکہ اعلیٰ سطح اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ اتحاد تنظیماتِ مدارسِ خیبر پختونخوا کے قائدین نے محکمہ تعلیم کی جانب سے مدارس کو زبردستی رجسٹریشن پر مجبور کرنے اور کوائف طلبی کے نام پر تنگ کیے جانے کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ اقدام آئینِ پاکستان کی

صریح خلاف ورزی ہے۔ 26ویں آئینی ترمیم میں مدارس کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ محکمہ تعلیم کے ساتھ رجسٹریشن کریں یا 1860ء کے سوسائٹی ایکٹ کے تحت۔ قائدین نے واضح کیا کہ سی ٹی ڈی کا تیار کردہ یکطرفہ فارم مدارس پر مسلط کرنے کی کوشش کسی طور قابلِ قبول نہیں۔ فارم میں غیر متعلقہ سوالات ہیں، جن کی وجہ سے ہم اس فارم کو بالکلیہ طور پر مسترد کرتے ہیں۔ ہم اس ملک کے محب وطن شہری ہیں۔ جب دیگر تعلیمی اداروں، اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے اساتذہ یا عام شہریوں سے ایسے کوائف طلب نہیں کیے جاتے تو صرف مدارس کو نشانہ بنانا امتیازی سلوک کے مترادف ہے۔ اتحاد تنظیماتِ مدارس کے قائدین نے تمام مدارس کو ہدایت کی کہ وہ سی ٹی ڈی یا محکمہ تعلیم کا غیر قانونی اور غیر آئینی فارم ہرگز پر نہ کریں۔

قائدین نے کہا کہ مدارسِ دینیہ امن وسلامتی کے مراکز ہیں، جہاں تیس لاکھ سے زائد طلبہ کو مفت تعلیم، قیام وطعام فراہم کیا جا رہا ہے۔ ان کی خدمات قوم کے ہر طبقے پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ مدارسِ دینیہ تعلیمی و رفاہی ادارے ہیں جنہوں نے ہمیشہ ملک وملت کی خدمت کی ہے۔ انہیں شک کی نگاہ سے دیکھنا اور دہشت گردوں کی طرح ٹریٹ کرنا انتہائی افسوسناک اور ناقابلِ برداشت طرزِ عمل ہے۔ اجلاس میں تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے مولانا ڈاکٹر عبدالناصر لطیف، وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان کے مولانا عمر عبدالعزیز، مولانا عبدالبصیر رستمی، رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان کے مولانا عبدالاکبر چترالی، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے مولانا سید عبدالبصیر شاہ، مولانا حبیب الرحمن، حافظ محمد داود فقیر، مولانا ارشد علی قریشی وفاق المدارس الشیعہ پاکستان کے علامہ عابد حسین شاکری کے علاوہ کثیر تعداد میں اتحاد تنظیمات مدارس کے ارکان شریک ہوئے۔

اعلامیہ برائے اجلاسِ ائمہ وخطباء

موضوع: حکومتِ پنجاب کی جانب سے ائمہ کرام کے لیے ماہانہ وظیفہ مقرر کرنے کے اعلان کے حوالے سے

الحمد للہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، اما بعد:

یہ اجلاس، جو آج مؤرخہ 9 نومبر بروز اتوار وفاق المدارس العربیہ پاکستان و جمعیت علماء اسلام ضلع بہاول پور کے زیر اہتمام دار العلوم مدنیہ بہاولپور میں علمائے کرام، خطباء، اور ائمہ مساجد سے مشاورت کے لیے منعقد ہوا، اجلاس حکومتِ پنجاب کی جانب سے ائمہ مساجد کے لیے ماہانہ 25 ہزار روپے وظیفہ مقرر کرنے کے اعلان پر غور وخوض کے بعد درج ذیل اعلامیہ جاری کرتا ہے:

1. یہ اجلاس اس امر پر گہری تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ حکومت کی جانب سے ائمہ مساجد کو ماہانہ وظیفہ دینے کا اقدام، بظاہر ایک سہولت دکھائی دیتا ہے مگر در حقیقت اس کے نتائج دینی خود مختاری اور مساجد کی غیر جانب داری کے

لیے نقصان دہ ثابت ہوسکتے ہیں۔

2۔ ائمہ مساجد کا منصب دینی خدمت اور اعلاء کلمۃ الحق کا ہے، نہ کہ کسی حکومتی سرپرستی یا مالی وابستگی کا۔ ایسی مالی وابستگی مستقبل میں حکومتی اثر ونفوذ کا ذریعہ بن سکتی ہے، جس سے منبر ومحراب کی آزادی متاثر ہوگی۔

3۔ یہ اجلاس اس بات پر زور دیتا ہے کہ اگر حکومت واقعی دینی طبقے کی خدمت کرنا چاہتی ہے تو وہ مدارس، مساجد اور دینی تعلیم کے فروغ کے لیے عمومی سہولیات فراہم کرے، نہ کہ آئمہ کو براہِ راست حکومتی تنخواہ دار بنائے۔

4۔ یہ اجلاس تمام ائمہ کرام سے اپیل کرتا ہے کہ وہ دینی خدمت کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دیتے رہیں اور ایسے اقدامات سے اجتناب کریں جن سے دینی وقار یا غیرتِ ایمانی پر حرف آتا ہو۔

5۔ یہ اجلاس حکومتِ پنجاب سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس اعلان پر نظرِ ثانی کی جائے اور علماء و دینی قیادت سے باضابطہ مشاورت کے بغیر ایسے اقدامات سے گریز کیا جائے جو مذہبی اداروں کی خودمختاری کو متاثر کرتے ہیں۔

6۔ اجلاس میں ضلعی انتظامیہ بہاولپور کی طرف سے ائمہ وخطباء سے زبردستی کوائف نامہ پُر کروانے اور پُر نہ کرنے کی صورت میں سنگین نتائج کی دھمکیوں کی پرزور مذمت کرتا ہے۔

7۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد تقی عثمانی، قائد ملت اسلامیہ مولانا فضل الرحمٰن، قائد مدارس دینیہ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، ڈاکٹر ابوالخیر محمد زبیر الازہری سمیت اکابر علماء اور دینی جماعتوں کے قائدین اس حکومتی وظیفے کو مسترد کر چکے ہیں، یہ اجلاس اکابر علماء کے اس فیصلے کی مکمل تائید کرتا ہے۔

8۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا ہے بہاولپور کی ہر تحصیل میں بھرپور علماء وائمہ خطباء کنونشن منعقد کیے جائیں گے۔

آخر میں، اجلاس اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہے کہ وہ ہمارے ملک، دین اور مساجد کی حرمت کی حفاظت فرمائے، اور ہمیں حق پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

صادر کردہ: اجلاسِ علماء ائمہ وخطباء زیرِ اہتمام وفاق المدارس العربیہ وجمعیت علماء اسلام ضلع بہاول پور

حکومتی وظیفہ مسترد

(دنیاپور) مساجد و مدارس کے ذمہ داران کا ایک اہم اجلاس جامعہ رحیمیہ اہل سنت دنیاپور میں نگرانِ اعلیٰ جامعہ اسلامیہ باب العلوم کہروڑ پکا و مسئول وفاق المدارس العربیہ ضلع لودھراں مولانا حبیب الرحمٰن مدنی صاحب کی زیرِ صدارت مساجد و مدارس کے ذمہ داران اور ائمہ کرام کا اہم اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں تمام شرکاء نے متفقہ طور پر حکومت کی جانب سے ائمہ مساجد کے لیے مقرر کیے گئے 25 ہزار روپے کے وظیفے کو مسترد کر دیا اور اعلان کیا کہ:

’’ہم مساجد و مدارس کو پہلے کی طرح بغیر کسی حکومتی فنڈ کے چلائیں گے، ان شاء اللہ۔‘‘

مولانا حبیب الرحمٰن مدنی صاحب نے کہا کہ انتظامیہ کی طرف سے ائمہ و مدرسین پر دباؤ ڈالنے اور زبردستی فارم پُر کروانے کا سلسلہ ناقابلِ قبول ہے۔ انہوں نے وزیر اعلیٰ پنجاب سے مطالبہ کیا کہ یہ رقم سیلاب زدگان اور عوامی فلاحی منصوبوں میں استعمال کی جائے۔ مزید فرمایا کہ تمام مساجد کو ملا کر ’’وفاق المساجد‘‘ اور تمام مدارس کو متحد کر کے ’’وفاق المدارس‘‘ کے تحت ایک منظم رابطہ قائم کر دیا گیا ہے، تاکہ علماء، ائمہ، اور مدرسین کے مابین مضبوط ربط و اتحاد قائم رہے۔ تمام ائمہ و مدرسین نے مولانا حبیب الرحمٰن مدنی صاحب کی قیادت پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا اور ان کے فیصلوں کی بھرپور تائید کی۔ شعبہ نشر و اشاعت وفاق المدارس العربیہ پاکستان، ضلع لودھراں و جمعیت علماء اسلام۔

حکومت اپنے رویے کو تبدیل کرے

پیر محل: جے یو آئی ف اور وفاق المدارس العربیہ کے رہنماؤں کی مشترکہ پریس کانفرنس پیر محل: پنجاب حکومت مدارس اور مساجد کے علماء اکرام کی تذلیل کر رہی ہے، پچیس ہزار روپے کے وظیفے سے ائمہ اکرام کا دل جیتنے کی کوشش چکنا چور ہو چکی ہے، پنجاب بھر کے علماء اکرام میں حکومت کے خلاف سخت نفرت ہے، وفاقی المدارس العربیہ پاکستان میں 40 لاکھ طلباء کو دینی تعلیم بھی فراہم کی جا رہی ہے، خواجہ آصف ہمارا چیلنج قبول کریں 2024 الیکشن کے نتائج کھولیں، فارم 47 کی حکومت کو پتہ چل جائے گا قبضہ مافیا آپ ہیں یا ہم، مدرسے والوں کو وہ طعنہ دے رہے ہیں جنہوں نے اقتدار پر قبضہ کر رکھا ہے، خواجہ آصف کو ایسی بات پر معافی مانگنی چاہیے، اگر حکومت علماء سے خیر خواہی کا ارادہ رکھتی ہے تو دینی مدارس کے ذمہ داران کے ساتھ مشاورت کی جائے، خواجہ آصف کو یہ بیان دیتے ہوئے شرم آنی چاہیے کہ اسلام آباد کے مدارس قبضے کی جگہ پر ہیں، دو تہائی اکثریت سے ستائیسویں ترمیم پاس کرنے والوں کے پاس 17 سے 18 سیٹیں موجود نہیں ہیں، حکومت اپنے رویے کو تبدیل کرے مدارس اور مساجد سے لوگ اگر نکلے تو حکومت بچانا مشکل ہو جائے گا۔

گلگت میں رکن مجلس عاملہ وفاق مولانا قاضی نثار احمد پر حملے کی شدید مذمت

کراچی/ اسلام آباد (5 / اکتوبر 2025ء) گلگت میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن معروف عالم دین مولانا قاضی نثار احمد پر شدید قاتلانہ حملہ ہوا، جس سے ان کو دو گولیاں لگیں جو فوری طور آپریشن کر کے نکال دی گئیں۔ جبکہ ان کے ساتھ چار محافظ بھی شدید زخمی ہوئے جس میں دو کی حالت انتہائی تشویشناک ہے اور انتہائی نگہداشت میں ہیں اور ان کا علاج ہے۔ (باقی صفحہ نمبر: ۵۸)

مطالعہ سیرت طیبہ

مرتب: ڈاکٹر سید عزیز الرحمن۔ صفحات: 327۔ طباعت: عمدہ۔ ملنے کا پتا: زوّار اکیڈمی پبلی کیشنز ناظم آباد نمبر ۴ کراچی۔ رابطہ نمبر: 02136684790

مولانا ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن اور سیرتِ طیبہ کا موضوع گویا لازم وملزوم ہیں۔ ان کا اختصاصی موضوع سیرت طیبہ ہے۔ اس عنوان پر ڈاکٹر کی متعدد، مختصر اور ضخیم کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب ''مطالعہ سیرت طیبہ'' بھی انہی میں سے ایک ہے۔ چونکہ ہائر ایجوکیشن کمیشن نے بی ایس کی سطح پر مناسب کریڈٹ آورز کے ساتھ سیرت طیبہ کی تدریس کو لازمی قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس سطح کے طلباء کی استعداد کو سامنے رکھتے ہوئے اسے مرتب کیا گیا ہے۔ کتاب کی ترتیب ایسی ہے کہ اسے دینی مدارس کے طلبہ کے لیے بھی مختص کیا جا سکتا ہے۔ پینتیس عنوانات کے تحت ولادتِ نبوی سے لے کر وفات تک سیرت کے موضوع کا احاطہ کیا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت اہم موضوع ہے۔ ہمارے ہاں اس حوالے سے بے اعتنائی کی کیفیت پائی جاتی ہے۔ ہمارے مدارس میں اگرچہ اس موضوع پر دو تین کتابیں پڑھائی جاتی ہیں لیکن وہ ابتدائی درجات کی ہیں۔ سیرت کو بطور اختصاصی موضوع کے نہیں پڑھایا جاتا۔ جہاں تک عصری تعلیم گاہوں میں سیرت طیبہ کے عنوان سے ہونے والے مختلف کورسز کا تعلق ہے گو کہ یہ روش قابل تحسین ہے مگر حضرات جانتے ہیں کہ عمومی طور پر ان کورسز کا مقصد ڈگری کا حصول ہوتا ہے لیکن پھر بھی یہ بات غنیمت ہے۔ مولانا ڈاکٹر سید عزیز الرحمٰن صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ ان کی زندگی کے اشتغال کا عنوان ہی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ زیر تبصرہ کتاب اپنے اُسلوب نگارش میں سلاست وروانی اور سادگی وپُرکاری کا اعلیٰ نمونہ ہے اور جس مقصد کے لیے مرتب کی گئی ہے اس کا حق ادا کرتی ہے۔

اسلام کا معاشی نظام ومعاشی نظریات

مؤلف: مولانا سید امیر الحق۔ صفحات: 159۔ طباعت عمدہ۔ رابطہ برائے حصول کتاب: ڈاکٹر سید منہاج الحق 03335057383

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اور اپنے اندر معاملات، اخلاقیات، معاشیات عبادات کا جامع نظام رکھتا ہے۔ ان تمام شعبوں میں حلال وحرام اور جائز اور ناجائز کی تمام صورتوں کی حدود بھی متعین کر دی ہیں۔ انسان کی معاشی جدوجہد کے بارے میں بھی اسلام نے واضح ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب اسلام کا معاشی نظام اور معاشی نظریات

انہی ہدایات میں مختلف گوشوں کے دروَا کرتا ہے۔اس کتاب میں مولانا سید امین الحقؒ نے محققانہ انداز میں اسلام کے نظامِ معاش اور نظریاتِ معاش پر کلام کیا ہے۔انہوں نے واضح کیا ہے کہ اسلام محض ایک ضابطہ اخلاق نہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پیش آنے والے مسائل جیسے معاشرت، معاشی اخلاقیات ادائیگی فرائض، حصول حقوق، خوش خلقی، حسن سلوک وصلہ رحمی جیسے افکار کی اساس ہے۔کتاب قابل مطالعہ ہے۔موضوع سے محققانہ دلچسپی رکھنے والے حضرات کتاب کے حصول کے لیے دیے گئے نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

حقانی تبصرے

خصوصی شمارہ ماہنامہ القاسم۔صفحات:160۔طباعت:عمدہ، کارڈ کور، ملنے کا پتا:القاسم اکیڈمی جامعہ ابوہریرہ خالق آباد نوشہرہ۔رابطہ نمبر:0333 9102770

ماہ نامہ القاسم دینی جرائد میں ایک اہم اور منفرد مقام کا حامل جریدہ ہے۔اس کے مدیر اعلیٰ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی زید مجدہم ہیں۔حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی کئی پہلوؤں سے ممتاز شخصیت کے حامل ہیں۔ان میں ایک خاص پہلو کتاب دوستی اور ادب پروری ہے۔آپ بے مثل ادیب ہیں، لکھتے ہیں تو خوبصورت لفظوں کی پھلواریاں بناتے چلے جاتے ہیں۔

کتابوں پر تبصرہ ان کا محبوب ومرغوب مشغلہ ہے۔جب کسی کتاب پر تبصرہ لکھتے ہیں تو زیر تبصرہ کتاب کو چار چاند لگا دیتے ہیں۔اس وقت ماہنامہ القاسم کی خاص اشاعت ''حقانی تبصرے'' ہمارے سامنے ہے، یہ محض کتابوں پر تبصرے نہیں بلکہ علم وادب کا مرقع ہیں۔یہ محض رسمی اظہار رائے نہیں ہے بلکہ اہل بصیرت کے وہ نغمے ہیں جو ہر کتاب کے باطن کو قاری کے دل میں وَا کرتے ہیں اور قاری کو یہ بتاتے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ اس کے ذوق؛ اس کے شعور اور اس کے علمی سفر میں کس طرح کا اضافہ کرے گا؟ یوں سمجھیے کہ یہ تبصرے علمی شاہراہوں پر رکھے گئے چراغ ہیں جن کی روشنی میں مطالعے کا سفر پُرکیف اور آسان ہو جاتا ہے۔تبصرہ نگاروں کے لیے بھی یہ مجموعہ مشعلِ راہ ہے، وہ جان سکتے ہیں کہ کس طرح نوآموز مصنفین کی ہمت بندھائی جاسکتی ہے، اور کہنہ مشق مؤلفین ومصنفین کی کتب کا بے ساختہ وبے ریا تعارف کرایا جاسکتا ہے؟!۔